انوار القرآن

مولوی انیس احمدؒ

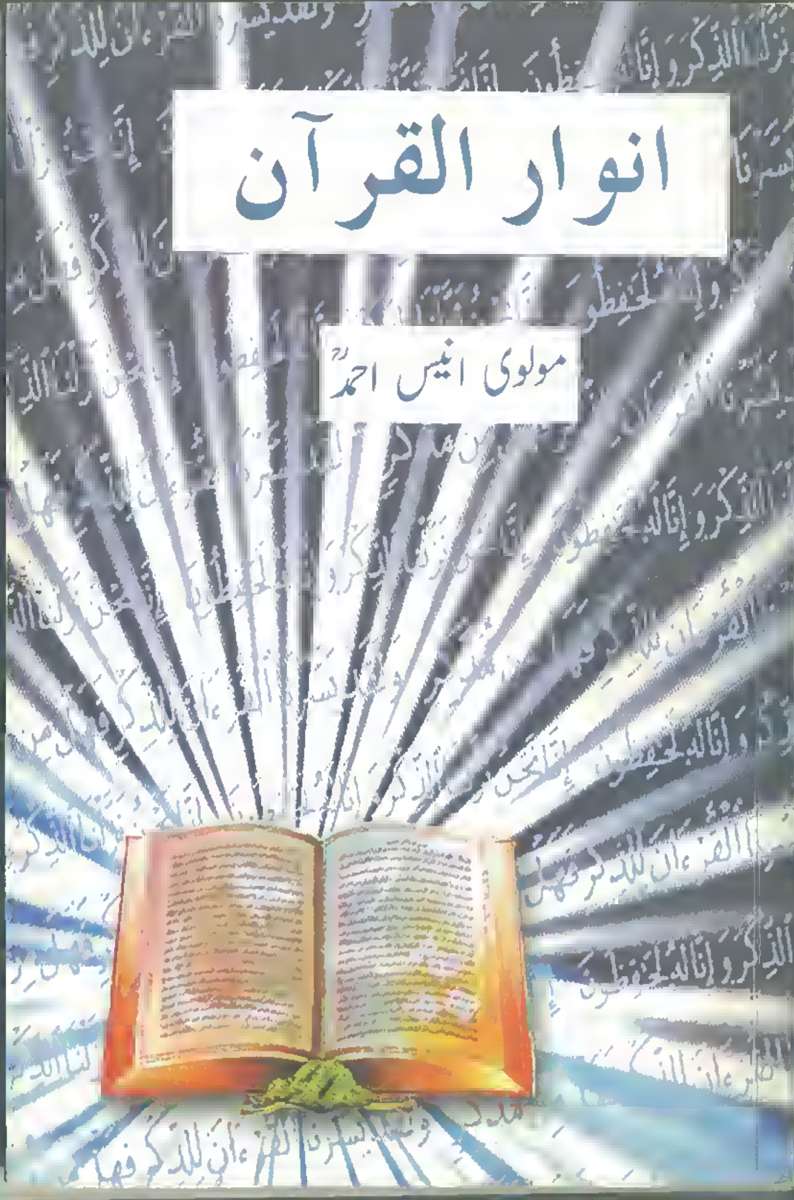

نام کتاب ــــــــــــــ انوار القرآن
باراول (فروری ۲۰۰۱) ــــــــــــ ۱۵۰۰
ناشر ــــــــــــ ناظم مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن
مقام اشاعت ــــــــــــ ۳۶۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور ۵۴۷۰۰
فون : ۳۔۵۸۶۹۵۰۱
مطبع ــــــــــــ شرکت پرنٹنگ پریس' لاہور
قیمت ــــــــــــ ۳۶ روپے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

زیر نظر کتاب شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ کے ایک نوجوان رفیق کار اور خدمت گار مولوی انیس احمد مرحوم کی مرتب کردہ ہے جسے ۱۹۲۰ء کے آس پاس ضبط تحریر میں لایا گیا۔ یہ کتاب شاید کبھی قبل از تقسیم شائع ہوئی تھی اور اب گزشتہ نصف صدی سے مفقود تھی۔ اس کتاب کا ایک سرورق بریدہ' بوسیدہ سا نسخہ مرحوم کے صاحبزادے جناب شاہد احمد کے پاس محفوظ تھا جو انہوں نے قریباً پندرہ سال قبل ایک نادر اور نایاب علمی ورثے کے طور پر مرکزی انجمن کے صدر مؤسس محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے حوالے کیا تھا جسے اب افادۂ عام کی خاطر زیور طباعت سے آراستہ کیا جارہا ہے۔

مولوی انیس احمد مرحوم قدیم و جدید علوم کے جامع' جذبۂ جہاد سے سرشار ایک یکتائے روزگار انسان تھے جو ۱۹۱۲ء میں علی گڑھ سے گریجویشن کرنے کے بعد انگریز کی عطا کردہ "ڈپٹی کلکٹری" پر لات مار کر علوم قرآنی کی تحصیل کی غرض سے دہلی میں مولانا عبید اللہ سندھیؒ کے قائم کردہ ادارے "ادارۂ نظارۃ المعارف" میں جا داخل ہوئے اور وہاں سے سند فراغت حاصل کرنے کے بعد دیوبند میں شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کے قدموں میں جا پہنچے۔ ایک سال سے کم عرصے میں حضرت شیخ الہندؒ سے تبلیغ قرآن اور علوم دین کی سند حاصل کرنے کے بعد مولوی انیس احمد' حضرت شیخ الہندؒ کے زیر سایہ ریشمی رومال کی تحریک میں سرگرم عمل ہو گئے۔ بعد ازاں انگریز سرکار کے ہاتھوں بغاوت کے الزام میں گرفتار ہو کر کالا پانی (رنگون) پہنچا دیئے گئے۔

مرحوم کے حالاتِ زندگی پر کسی قدر روشنی محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی تحریر کردہ "تقدیم" اور مولوی صاحبؒ کے صاحبزادے جناب شاہد احمد کے مرتب کردہ "تعارف" کے ذریعے پڑتی ہے جنہیں زیر نظر کتاب کے ایک مستقل جزو کے طور پر شامل کتاب کر دیا گیا ہے۔ جناب شاہد احمد بھی اب مرحومین کی فہرست میں شامل ہو چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ باپ بیٹا دونوں کی قبروں کو نور سے بھر دے۔ (آمین)

حافظ عاکف سعید
ناظم نشر و اشاعت

۲۰/ فروری ۲۰۰۱ء

عنوانات

○ تقدیم از قلم محترم ڈاکٹر اسرار احمد ۷

○ تعارف از شاہد احمد مرحوم ۱۳

○ انوار القرآن ۱۹

○ قرآن مجید کی تعلیم سے استفادہ کا طریقہ کار ۲۶

○ قرآن کریم کی اصطلاحات کے اصلی اور موجودہ مفہوم میں فرق ۴۸

○ قرآن حکیم میں پیغمبروں کے قصے اور ان کی حکمت ۵۸

* حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ ۵۹

* قصہ طالوت و جالوت ۶۱

* قصہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ۶۸

* قصہ حضرت نوح علیہ السلام ۶۹

* قصہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ۷۱

○ مسلمانوں کے جمود کے اسباب ۷۴

○ کیا "روحانی ترقی" اور "دنیاوی ترقی" متضاد ہیں؟ ۸۴

○ صحابہ کرامؓ کی دنیاوی ترقی کا حال ۱۰۰

* حکومت ۱۰۰

* دولت ۱۰۲

* غلبہ ۱۰۸

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقدیم

از قلم : ڈاکٹر اسرار احمد' امیر تنظیم اسلامی

یہ ۴۰-۱۹۴۱ء کی بات ہے جب میں تیسری چوتھی جماعت کا طالب علم تھا' اور ہم حصار میں ریلوے سٹیشن سے بالکل متصل اپنے اس نئے مکان میں رہائش پذیر تھے جو والد صاحب مرحوم و مغفور نے چند سال قبل ہی تعمیر کرایا تھا' کہ میرے مشاہدے میں آیا کہ دو حسین و دیدہ زیب کتابوں کے دو سیٹ ہمارے یہاں بہت اہتمام کے ساتھ رکھے ہوئے ہیں۔ چنانچہ ایک سیٹ مردان خانے کی "بیٹھک" میں رکھی ہوئی میز کی دراز میں مستقلاً موجود رہتا تھا' اور دوسرا منقسم طور پر دو جزدانوں میں خواجہ حسن نظامی مرحوم کے ترجمے اور حواشی والے قرآن مجید کی ان دو جلدوں (پندرہ پندرہ پاروں پر مشتمل) کے ساتھ رکھا رہتا تھا جو والدہ صاحبہ مرحومہ کے زیر تلاوت رہتی تھیں! (مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ یہ دونوں جلدیں "متاعِ عزیز" کے طور پر اس مختصر ترین سامان کے ساتھ بھی پاکستان پہنچ گئی تھیں جس کے ساتھ ہمارے خاندان نے حصار سے سلیمانکی ہیڈ ورکس تک کا ایک سو ستر میل کا فاصلہ آگ اور خون کے دریا عبور کر کے بیس روز میں طے کیا تھا۔ پھر پاکستان میں بھی والدہ صاحبہ مرحومہ کی یہ "متاعِ عزیز" نہایت بوسیدہ ہو جانے کے باوجود کئی سال تک محفوظ رہی۔ تا آنکہ والدہ صاحبہ نے میرے مشورہ پر پچاس کی دہائی کے اوائل میں حضرت شیخ الہندؒ کے ترجمے اور مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے حواشی والے مصحف کی تلاوت شروع کی۔)

بہر حال' متذکرہ بالا دو کتابوں کے نام تھے : تعلیم القرآن اور کلید القرآن۔ اور ان دونوں پر مصنف کا نام تحریر تھا "انیس احمد۔ بی اے (علیگ)"۔ پھر یہ بھی اچھی طرح یاد ہے کہ ان ہی دنوں یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ یہ انیس احمد والدہ صاحبہ کے حقیقی پھوپھی زاد بھائی

ہیں۔ تاہم یہ یاد نہیں کہ میں نے کبھی ان کتابوں کو توجہ کے ساتھ پڑھا بھی ہو۔ ہائی اسکول کے زمانے میں اولاً مجھ پر "بانگِ درا" چھائی رہی' بعد ازاں کچھ حفیظ جالندھری کا "شاہنامہ" اور کچھ مولانا مودودی کے ابتدائی کتابچے زیر مطالعہ رہے' اور زیادہ تر وقت مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کی عملی سرگرمیوں کی نذر ہوا۔

میڈیکل کالج کی تعلیم کے دوران جب ذرا معلومات کا دائرہ وسیع ہوا اور حلقہ دیوبند کے بعض حضرات سے تعارف حاصل ہوا تو کان کھڑے ہوئے کہ یہ مولوی انیس احمد تو بہت بدنام انسان تھے اور ان پر حضرت شیخ الہندؒ سے غداری اور انکے خلاف مخبری کا الزام تھا۔ چنانچہ دل ہی دل میں شرم اور ندامت کا احساس بھی پیدا ہوا اور ان کے ساتھ اپنی رشتہ داری کی نسبت کو چھپائے رکھنے ہی میں عافیت محسوس ہوئی۔ بلکہ ایک واقعہ تو میں بھول ہی نہیں سکتا۔ یہ ۵۷۔۵۸ء کی بات ہے کہ میں اجمل باغ' رحیم آباد (ضلع رحیم یار خان) میں سردار اجمل خان لغاری مرحوم کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک ادھیڑ عمر کے مولوی صاحب تشریف لائے جن کی داڑھی اور سر دونوں کے بال نہایت پراگندہ' اور کپڑے نہایت میلے اور بوسیدہ تھے' چہرے پر خشونت بلکہ وحشت تک کے آثار تھے اور ہاتھ میں ایک بہت بھاری بھرکم عصا تھا۔ معلوم ہوا کہ یہ مولانا عبید اللہ سندھیؒ کے شاگرد اور مصاحب رہے تھے۔ (مجھے ان کا نام اس وقت یاد نہیں آرہا۔ اگرچہ بہت بعد کی بات ہے کہ ایک بار جب جناح ہال لاہور میں قرآن کانفرنس کا ایک اجلاس ہو رہا تھا' یہ اچانک "وارد" ہو گئے تھے' اور انہیں میں نے ایک مختصر سے خطاب کا موقع بھی دیا تھا!) بہرحال وہ سردار اجمل خان صاحب مرحوم سے گفتگو کرتے رہے اور میں صرف سنتا رہا۔ لیکن اثنائے گفتگو میں ایک بار ان کی زبان پر "مولوی انیس احمد" کا نام ایسے غیظ و غضب کے ساتھ آیا کہ مجھے محسوس ہوا کہ اگر انہیں یہ معلوم ہو جائے کہ میں ان کا رشتہ کا بھانجا ہوں تو چشم زدن میں ان کا بھاری بھرکم عصا میرے سر پر ہو گا!

اس کے چند سالوں کے بعد مولوی انیس احمد صاحب کے ایک بھتیجے سے تعارف ہوا۔ یہ شکیل احمد قریشی مرحوم تھے' محکمہ انہار میں سپرنٹنڈنگ انجینئر' اور اس اعتبار سے نہایت مشہور اور معروف کہ گہری دینداری کے ساتھ ساتھ پورے "دیانتدار" بھی تھے اور اس

پر مستزاد یہ کہ نہایت دبنگ افسر بھی تھے اور اپنے کام میں ماہر بھی! (یہ موجودہ ماحول کے اعتبار سے "متضاد" اوصاف کسی ایک انسان میں شاذ ہی جمع ہوتے ہیں)۔ ان کے بارے میں جب یہ معلوم ہوا کہ وہ مولانا احمد علی لاہوریؒ سے بیعت ہیں تو حیرت ہوئی کہ جس حلقے کے لوگ ان کے تایا اور دادا کو انگریز کے ایجنٹ اور قوم کے غدار قرار دیتے ہیں اسی کے ایک بزرگ سے یہ کیسے بیعت ہو گئے!

تاہم اس پوری صورتحال کا "ڈراپ سین" اس صورت میں ہوا کہ جب میں ۱۹۸۰ء میں پہلی بار "بھارت" گیا اور لکھنؤ میں مولانا محمد منظور نعمانیؒ سے ملاقات ہوئی تو چونکہ ان کا قیام بھی بہت طویل زمانے تک بریلی میں رہا تھا جہاں مولوی انیس احمد صاحب کے والد خان بہادر مولوی ادریس احمد مرحوم محکمہ تعلیم میں بہت اونچے منصب پر فائز رہے تھے (اس صدی کی تیسری دہائی کے دور میں ان کی تنخواہ ایک ہزار روپے ماہانہ سے متجاوز تھی!) تو میں نے مولانا نعمانیؒ سے ڈرتے ڈرتے مولوی ادریس صاحب کے بارے میں دریافت کر لیا۔ اس پر مولانا نے بتایا کہ ان کے ساتھ ان کی گہری شناسائی تھی اور گھریلو مراسم بھی رہے تھے اور یہ کہ کچھ لوگوں نے ان کے بیٹے مولوی انیس احمد کو خواہ مخواہ بدنام کیا، حالانکہ اب جو انڈیا آفس کا ریکارڈ منظر عام پر آیا ہے اس سے تو معلوم ہوا ہے کہ مولوی صاحب مرحوم نہایت مخلص اور جوشیلے انقلابی کارکن تھے اور انگریز انہیں شیخ الہندؒ کے "خطرناک ترین" فدائیوں میں شمار کرتے تھے۔ اس پر میرے دل کا بوجھ ہلکا ہوا۔ اور میں نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ میرے رشتے کے ماموں بفضلہٖ تعالیٰ نہ غدار تھے نہ سرکار انگریزی کے مخبر، بلکہ مخلص مومن اور مرد مجاہد تھے۔

اس کے چند سال بعد کراچی میں انیس احمدؒ صاحب کے فرزند شاہد احمد (مرحوم) سے ملاقات ہوئی (جو ایک دوسرے رشتے سے میرے خالو بھی تھے!) تو مزید معلومات حاصل ہوئیں جن سے کچھ احساس فخر بھی پیدا ہوا.... خصوصاً اس بات سے کہ مولوی انیس احمدؒ بھی ان چند خوش قسمت نوجوانوں میں سے تھے جنہوں نے گریجویشن کے بعد فتح پوری مسجد دہلی میں قائم شدہ "ادارۂ نظارۃ المعارف" میں مولانا عبید اللہ سندھیؒ ایسے انقلابی انسان سے قرآن پڑھا تھا اور ان ہی کی وساطت سے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کی مشہور

تحریک آزادی موسوم بہ "تحریک ریشمی رومال" میں شرکت کر کے قید و بند کی صعوبتیں برداشت کی تھیں!

البتہ جہاں تک ان کے والد مرحوم اور میری والدہ مرحومہ کے حقیقی پھوپھا یعنی خان بہادر مولوی ادریس احمد صاحب کا تعلق ہے وہ یقیناً سرسید مرحوم کے مکتب فکر سے تعلق رکھتے تھے اور مسلمانانِ ہند کی مصلحت اس میں سمجھتے تھے کہ انگریزی حکومت کے خلاف بغاوت کی روش کو ترک کر کے مصالحت کا رویہ اختیار کیا جائے' اور انگریزی زبان بھی پڑھی جائے اور جدید علوم کی بھی بھرپور طور پر تحصیل کی جائے۔ چنانچہ یہ حقیقت ان کے نام کے ساتھ ملحق خطاب سے بھی ظاہر ہے۔ تاہم ایک تو یہ ایک خاص دور کی بات ہے جس میں بہت سے عظیم المرتبت علماء بھی اس رائے کے حامل تھے۔ (جیسے مولانا اشرف علی تھانوی' مولانا احمد رضاخاں بریلوی اور مولانا محمد حسین بٹالوی رحمہم اللہ!) اور دوسرے یہ کہ ایسا تو بارہا ہوا ہے کہ بیٹے نے باپ کی رائے اور روش کے بالکل برعکس راستہ اختیار کر لیا اور آزر کے گھر میں ابراہیمؑ پیدا ہو گئے۔ چنانچہ یہی صورت اس معاملے میں ہوئی!

بہرحال' اپنی اسی ملاقات میں جناب شاہد احمد صاحب نے مجھے اپنے والد مرحوم کی پیش نظر تالیف "انوار القرآن" کا ایک نہایت بوسیدہ نسخہ اپنے تحریر کردہ "تعارف" کے ساتھ عنایت فرمایا تھا جسے ایک "تبرکِ علمی" کی حیثیت سے شائع کرنے کا فیصلہ تو اگرچہ میں نے اسی وقت کر لیا تھا' تاہم دیگر دعوتی و تنظیمی مصروفیات کی وجہ سے' جن میں گزشتہ دس پندرہ سالوں کے دوران بیرونی اسفار نے زیادہ ہی شدت پیدا کر دی ہے' یہ کام مؤخر ہوتا رہا۔ تاآنکہ "کلّ امرٍ مرھونٌ لوقتہٖ" کے مطابق مشیتِ ایزدی میں اس کی اشاعت کا وقت آ گیا۔ چنانچہ اب یہ قارئین کی خدمت میں پیش ہے۔

اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اپنی اس تحریر کا اقتباس بھی پیش کر دوں جو میں نے ۱۹۸۷ء میں مولانا عبید اللہ سندھیؒ کے ایک دوسرے شاگرد خواجہ عبدالحیٔ فاروقیؒ کی تالیف "الخلافۃ الکبرٰی" کا مقدمہ ماہنامہ "میثاق" میں شائع کرتے ہوئے اس کے تعارف کے ضمن میں سپردِ قلم کی تھی :

"اس تبرکِ علمی و دینی کے تعارف کا ایک دوسرا رخ بھی ضروری ہے اور وہ یہ کہ اس کا تعلق علم و تفسیرِ قرآن کے اس "انقلابی" مزاج کے حامل سلسلے سے ہے جو اس صدی کے اوائل میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ کی ذاتِ بابرکات سے شروع ہوا تھا' جن کے خلیفۂ اول کی حیثیت حاصل تھی مولانا عبیداللہ سندھیؒ کو جو اواخر عمر میں کچھ زیادہ ہی "انقلابی" ہو گئے تھے' اور خلیفۂ ثانی کا درجہ حاصل تھا مولانا احمد علی لاہوریؒ کو جو عمر کے آخری دَور میں اغلباً اعوان و انصار کی کمی اور حالات کے ہاتھوں مجبور ہو کر انقلابیت سے کسی قدر رجعت فرما کر روحانیت اور بیعتِ ارشاد میں منہمک ہو گئے تھے اور تیسری اہم شخصیت تھی خواجہ عبد الحیٔ فاروقیؒ کی جو اغلباً از اول تا آخر معتدل مزاج کے حامل رہے اور ان کے انقلابی فکرِ قرآنی نے نہ تو کوئی بڑی زقند لگائی اور نہ کسی درجے میں رجعت ہی اختیار کی!

راقم نے آج سے ٹھیک دو سال قبل "میثاق" بابت دسمبر۱۹۷۶ء میں ایک طویل مضمون میں تفسیرِ قرآن کی ان مختلف شاخوں کا جائزہ لیا تھا جو برعظیم پاک و ہند میں انیسویں صدی عیسوی کے اواخر اور بیسویں صدی کے اوائل میں پھلی پھولیں۔ (یہ تحریر اب راقم کی تالیف "دعوت رجوع الی القرآن کا منظر و پس منظر" میں شامل ہے!) ان میں قادیانی و لاہوری سلسلے سے قطع نظر جو "ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِیۡدًا" کا مصداقِ کامل بن گیا' ایک انتہا پر تو متجددین کا سلسلہ تھا جس کے بانی مبانی تھے سرسید مرحوم اور ان کے اہم خلفاء میں شامل ہیں علامہ عنایت اللہ خان مشرقی اور چوہدری غلام احمد پرویز' اور دوسری انتہا پر تھے "الرَّاسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ" جن کے سید الطائفہ تھے حضرت شیخ الہندؒ۔ اور ان کے مابین تھیں تین درمیانی رنگ کی حامل شاخیں جو.... مولانا ابو الکلام آزاد' مولانا حمید الدین فراہی اور علامہ اقبال سے شروع ہوئیں اور جن کے خلفاءِ عظام ہیں علی الترتیب مولانا مودودی' مولانا اصلاحی اور ڈاکٹر رفیع الدین۔ علماءِ راسخین کے حلقے کی دوسری اہم شخصیت ہیں مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ جن کے بارے میں راقم لکھ چکا ہے کہ ان کی تفسیر بیان القرآن سے تین تفسیریں مزید نکلی ہیں' ایک مولانا عبد الماجد دریا بادی مرحوم کی' دوسری مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کی اور تیسری مفتی محمد شفیعؒ کی۔ البتہ خاص حضرت شیخ الہندؒ کی ذاتِ بابرکات سے تفسیر قرآن کے جو دو چشمے پھوٹے ان میں سے متذکرہ بالا تحریر میں صرف ایک کا ذکر ہوا تھا

یعنی مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے حد درجہ سلیس لیکن انتہائی عمیق حواشی کا۔ لیکن دوسرے اہم سلسلے کا ذکر رہ گیا تھا جس کے اہم افراد ہیں مولانا عبیداللہ سندھی مرحوم' مولانا احمد علی لاہوریؒ اور خواجہ عبدالحیٔ فاروقیؒ۔"

پیش نظر کتاب کی اشاعت کے ذریعے' ان شاء اللہ العزیز' اس "سلسلة الذهب" کی ایک تیسری کڑی کا ذکر بھی تاریخ کے صفحات میں مذکور و محفوظ ہو جائے گا۔

مولوی انیس احمدؒ کے بڑے بیٹے نفیس احمد مرحوم تو میری معلومات کی حد تک لاولد ہی فوت ہو گئے تھے۔ البتہ ان کے چھوٹے بیٹے شاہد احمد مرحوم کی اولاد بحمد اللہ پاکستان میں موجود ہے اور سب بہن بھائی بحمد اللہ ذہانت و فطانت میں تو اپنے اسلاف کی روایات کو قائم رکھے ہوئے ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ ان سب کو اپنے جدِّ امجد کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق بھی عطا فرمائے۔ آمین!

خاکسار اسرار احمد عفی عنہ

لاہور' ۵۔ جون ۱۹۹۶ء

پس نوشت

مجھے یاد پڑتا ہے کہ اسی "تقدیم" کی ماہنامہ "میثاق" میں اشاعت پر مجھے اپنے کسی عزیز کا خط موصول ہوا تھا جس سے معلوم ہوا کہ محترم نفیس احمد مرحوم کے ضمن میں میری معلومات ناقص ہیں۔ وہ بھی صاحب اولاد تھے اور ان کی اولاد بھی بحمد اللہ پاکستان میں زندگی کے مختلف شعبوں میں برسرکار ہے۔ افسوس کہ وہ خط فوری طور پر نہیں مل سکا۔

خاکسار اسرار احمد عفی عنہ

لاہور ۲۰/ فروری ۲۰۰۱ء

تعارف

از قلم : شاہد احمد مرحوم' پسر مولوی انیس احمدؒ

یہ کتاب "انوار القرآن" والد صاحب مرحوم و مغفور نے غالباً ۱۹۲۰ء یا ۱۹۲۱ء میں تصنیف کی۔ اس سے پہلے بھی ان کی دو کتابیں آرٹ پیپر پر شائع ہوئیں جن کے نام تھے "تعلیم القرآن" اور "کلید قرآن"۔ آخر الذکر کتاب انہوں نے دوبارہ شائع کرنے کے لئے شیخ محمد اشرف صاحب کو دی تھی جو لاہور کے بڑے پبلشر ہیں۔ لیکن چونکہ مولانا موصوف پر انگریز دشمنی کا لیبل لگا ہوا تھا لہٰذا انہوں نے اس کو شائع نہیں کیا۔ اس کی آخری کاپی ضرور ان کے مطبع کے ریکارڈ میں ہوگی۔

والد صاحب مرحوم بڑے روشن خیال عالم تھے اور بڑے پکے موحد اور مجاہد۔ انہوں نے دنیاوی منفعت اور آسائش کو کبھی کوئی حیثیت نہیں دی۔ جہاں تک مجھے اُن سے معلوم ہوا وہ یہ تھا کہ ۱۹۱۲ء میں جب ایم اے او کالج علی گڑھ سے انہوں نے بی اے بڑے امتیاز سے پاس کیا تو ان کو ڈپٹی کلکٹری کا پروانہ انگریزوں نے عطا کیا۔ لیکن ان کو جذبہ دینی اور جذبہ جہاد نے گھر سے جانے پر مجبور کر دیا۔ اس وقت تک اُن کی تین اولادیں ہو چکی تھیں۔ ان کی والدہ محترمہ نے ان کو زادِ راہ کے لئے اپنا سارا زیور دے دیا اور وہ خاموشی سے دہلی چلے گئے۔ وہاں مولانا عبید اللہ سندھی صاحب نے ادارہ نظارۃ المعارف فتح پوری مسجد میں بنایا تھا جہاں وہ صرف گریجویٹ طلبہ کو قرآن کی تعلیم دیتے تھے۔ وہاں سے بہت جلد وہ فارغ ہوئے اور مولانا عبید اللہ نے اپنی خصوصی سند کے ساتھ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن کے پاس دیوبند بھیج دیا۔ حضرت شیخ الہند نے ایک سال سے کم عرصے میں اُن کو سند تبلیغ قرآن اور علومِ دین عطا فرمائی۔

حضرت موصوف کی تحریک' جسے انگریز ریشمی رومال کی سازش یا بغاوت کہتے ہیں' شروع ہوئی تو وہ اولین ساتھیوں میں سے تھے۔ تحریک کی تنظیم حیدر آباد دکن ان کے

سپرد ہوئی۔ افغانستان میں انگریزوں کے سفیر کو جب حبیب اللہ خان نے حضرت شیخ الہند کی تحریک کی دستاویزات دے دیں تو جو لوگ تحریک میں شامل تھے ان کے نام انگریزی حکومت کو معلوم ہو گئے اور حضرت والد صاحب کو حیدر آباد میں گرفتار کر کے دیگر قیدیوں کے ساتھ آہنی پنجروں میں ہر قسم کے لباس سے معرا رنگون بھیج دیا گیا۔

رنگون جانے سے پہلے جب وہ جنگی قیدیوں کی کار میں جامع مسجد دہلی کے قریب سے گزرے تو انہوں نے محافظوں سے اجازت لے کر حضرت باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر فاتحہ پڑھ کر یہ دعا مانگی کہ ان کو مجاہد کی موت نصیب ہو' جو قبول ہوئی اور میں اس کا گواہ ہوں۔

ان کے والد یعنی ہمارے دادا صاحب مرحوم خان بہادر مولوی ادریس احمد صاحب کا انگریزوں میں بڑا نام تھا۔ انہوں نے اس وقت کے وائسرائے سے والد صاحب مرحوم کی رہائی کی درخواست کی۔ والد صاحب نے یہ شرط لگائی کہ ان کے مرشد حضرت شیخ الہند سے اجازت لی جائے۔ چنانچہ جب ان کی اجازت آئی تو وہ انگریزوں کی قید سے اپنے والد مرحوم کی نظربندی میں آ گئے۔ جنگ عظیم اول کے فوراً بعد ان کی نظربندی ختم ہوئی۔ ان کا فرمانا تھا کہ انہی دنوں میں یا جس دن رہائی کا حکم آیا تھا' میری پیدائش کی اطلاع ان کو ملی۔

اس کے بعد ۱۹۴۷ء تک ان کی زندگی کشاکش حیات اور ابتلاء میں گزری۔ انہوں نے اپنی درویشانہ منش نہیں چھوڑی اور نہ اپنے ضمیر کا سودا کیا۔ دیوبند کے علماء سے ان کا کوئی تعلق نہیں تھا' نہ وہ کانگریسی مولویوں کے ہم خیال تھے۔ انہوں نے انگریزوں سے بھی کوئی تعلق نہیں رکھا۔ ان کو بہت بڑی بڑی ملازمتوں کی پیشکش ہوئی لیکن وہ صرف جرنلزم سے روپیہ کماتے تھے۔ میں نے الطاف حسین مرحوم کو جو بعد میں وزیر ہوئے' ان کے شاگرد کی حیثیت سے دیکھا ہے۔

ان کی علمی وجاہت کی یہ شان تھی کہ خواجہ حسن نظامی جیسے لوگ ان سے عاجزانہ ملتے تھے۔ علامہ مشرقی' علامہ اقبال شاعر مشرق' اکبر الہ آبادی' سر عبدالقادر' غرض اس زمانہ کے سب بڑے لیڈران سے مشورہ کرنے کو اعزاز سمجھتے تھے۔ ہندوستانی ریاستوں کے تمام مسلمان حکمران بھی ان سے ذاتی طور پر واقف تھے اور ان کا ادب کرتے تھے۔

انگریزوں نے ہر طرح سے ان کو نقصان پہنچایا۔ یہاں تک کہ جب میں نے مقابلہ کے امتحانوں میں بیٹھنا چاہا تو مجھے اجازت نہیں ملی اور میں نے اپیل کی تو اجازت ملی۔ اس میں میرا ایک اور سال ضائع ہو گیا۔

مسلم لیگ میں بھی وہ کبھی باقاعدہ شریک نہیں ہوئے' البتہ پاکستان کے تصور سے ان کو محبت تھی۔ ۱۹۴۶ء کے آخر میں وہ پشاور آ گئے تھے اور انہوں نے مالاکنڈ ایجنسی میں جہاد پر تقاریر کیں اور مضامین لکھے' جو سرحد کے تقریباً تمام اخباروں میں اُردو اور پشتو میں شائع ہوئے۔ ان میں سے مَیں نے چند ایک کتابی صورت میں شائع کئے ہیں۔ یہی ایک خدمت ہے جو مَیں ان کی کر سکا ہوں۔

پاکستان بننے کے بعد اُن کے قدیم دوستوں میں نواب زادہ لیاقت علی خان مرحوم' غلام محمد مرحوم اور جسٹس دین محمد مرحوم نمایاں تھے۔ غلام محمد صاحب جب گورنر جنرل ہوئے تو انہوں نے والد صاحب کو چار لاکھ روپے پیش کئے کہ اس سے ادارہ ثقافت اسلامی بنائیں اور قرآن مجید کا ترجمہ کریں جس پر غلام محمد کی مہر ہو کہ ان کی تصدیق سے شائع ہوا' جیسے بائبل پر مہر ہوتی ہے۔ والد صاحب نے کسی اور بزرگ کا نام پیش کر دیا کیونکہ وہ قرآن کی خدمت میں اس قسم کا معاوضہ یا کسی گورنر جنرل کے دست اعانت سے محفوظ رہنا چاہتے تھے۔ جسٹس دین محمد مرحوم نے ان کو حیدر آباد گورنمنٹ کالج میں دینی تعلیم کے کورس اساتذہ کو دینے کے لئے لیکچرر مقرر کیا اور یہ کام انہوں نے تقریباً تین سال کیا۔ انہی دنوں میں انہوں نے کلامِ مجید کے پارہ عَمَّ اور پھر پہلے ۹ پاروں کا سلیس اردو ترجمہ کیا جو جناب سعید بھاری مرحوم نے کئی لاکھ کی تعداد میں شائع کرا کر مفت تقسیم کیا۔ عالم نزع میں جو انہوں نے باتیں مجھ سے کیں ان سے معلوم ہوا کہ جتنی خدمت ان سے قرآن کی ہو گئی ہے اور جتنا جہاد اسلام کی خدمت میں انہوں نے کیا ہے اس سے وہ مطمئن ہیں۔

انہیں اندازہ ہو گیا تھا کہ اب دمِ واپسیں آ گیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے مجھے اپنے کمرے سے باہر بھیج دیا اور اپنے خادمِ خاص سے جسم کو صاف کرایا اور پھر دو رکعت نماز پڑھی۔ اس کے بعد مجھے بلایا اور فرمایا کہ اب وہ آرام کرنا چاہتے ہیں۔ چادر انہوں نے خود اوڑھی اور منہ چادر میں کر لیا۔ میں نے یٰسین شریف پڑھنی شروع کی تو انہوں نے

ایک دم منہ باہر نکال کر پوچھا کہ کیا پڑھ رہے ہو؟ میں نے بتایا تو کہا کہ زور سے پڑھو۔ جب چار رکوع ہو گئے تو کہا کہ بس۔ اس کے فوراً بعد لیڈی نرس آئی۔ اس نے نبض دیکھی تو کہا کہ وہ انتقال کر چکے ہیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

ان کی پیدائش ستمبر ۱۸۹۰ء میں اور وفات ستمبر ۱۹۵۴ء میں ہوئی۔ اس طرح یہ مردِ مجاہد نفس مطمئنہ کے ساتھ اپنے مقامِ موعود پر پہنچا۔

میں اس زمانے میں لاہور میں کنٹرولر آف ملٹری اکاؤنٹس تھا اور اس حیثیت میں لیفٹیننٹ جنرل محمد اعظم خان کا' جو لاہور ڈویژن کی ملٹری کے کمانڈر تھے' مالی مشیر تھا۔ جنرل صاحب شرفاء نوازی کے لئے مشہور ہیں۔ ان کو جب معلوم ہوا کہ میرے والد صاحب مرحوم آئے ہوئے ہیں اور بیمار ہیں تو ان کی مزاج پرسی کے لئے آئے۔ ان سے ملاقات کے بعد مجھ سے کہا کہ آپ کے والد تو مجاہد معلوم ہوتے ہیں۔ میں نے جنرل صاحب کی مردم شناسی کو سراہا۔ جنرل صاحب نے انہیں اپنا مہمان بنالیا اور ان کا علاج ایسے ہی کیا جیسے کہ وہ اپنے والد کا کرتے۔ والد صاحب مرحوم نے ان سے فرمایا کہ آپ نے تو میرا ایسا اہتمام کیا ہے جیسا کسی صاحب تخت و تاج کا ہوتا ہے۔

ان کا جنازہ بھی فوجی اعزاز سے لے جایا گیا اور فوج کے اہتمام میں ان کی تدفین ہوئی۔

یہ وہ شخص تھا کہ زندگی میں اپنے کپڑے اپنے ہاتھ سے دھوتا تھا۔ کبھی قیمتی کپڑے نہیں پہنے۔ نہ کسی کی خوشامد کی' نہ کسی کی برائی کبھی کی۔ اگر کسی کی مدد کر سکے تو ضرور کی اور کبھی جتایا نہیں۔

اپنے اہلِ خانہ کو جس قدر کماتے تھے بھیجتے تھے' لیکن اس سے ہمارا گزارہ نہیں ہوتا تھا۔ ہمارے دادا صاحب جب تک زندہ رہے وہ ہمیں ایک معقول رقم خرچ کے لئے بھیجتے تھے۔ ۱۹۳۵ء میں ان کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد ہمارا وقت کافی تکلیف سے گزرا۔ بہرحال ہمیں اپنے باپ سے ایسا کیریکٹر ملا ہے کہ ہم بڑے سے بڑے ظالم سے پنجہ آزمائی کرنے کے لئے تیار رہتے ہیں۔ رزقِ حلال کمانے کی وجہ سے ہمیں کبھی دنیاوی فکر نہیں ہوئے اور ہر تکلیف پر اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ کہتے ہیں۔ ان کی طبع غیور کو یہ بھی گوارا نہ تھا کہ اپنی اولاد کا بھی احسان لیتے۔ مجھے ان کی زندگی میں کافی بڑا عہدہ نصیب ہوا اور

ان کی دعاؤں سے بڑی عزت و توقیر ملی لیکن وہ کبھی ایک ہفتہ سے زیادہ میرے ہاں نہیں ٹھہرے۔ وہ بھی اس لئے کہ انہیں مجھ سے محبت تھی۔ ان کی آخری علالت جو میرے گھر میں ہوئی صرف چار دن تھی۔ لاہور آتے ہی انہوں نے مجھے دو ہزار روپے دے دیئے تھے، جو اُن کے سفرِ آخرت کے دنیاوی بندوبست کے لئے کافی رقم تھی۔

یہ باتیں اس لئے لکھی گئی ہیں کہ لوگوں کو معلوم ہو سکے کہ اگر ان کا انگریزوں سے کوئی تعلق ہوتا اور حضرت شیخ الہند سے انہوں نے کوئی غداری کی ہوتی تو انہیں کوئی معاوضہ، کوئی عہدہ، کوئی اور انعام ملا ہوتا۔ انہوں نے تو رہائی کے بعد دیوبندی، کانگریسی مولویوں سے ربط و تعلق بھی پسند نہیں کیا، ورنہ کم از کم کسی درس گاہ یا دارالعلوم کے متولی تو ہوتے۔ مسلم لیگ کافی عرصہ صاحب اقتدار رہی لیکن ان کی قلندری کا وہی حال رہا۔ البتہ جہاد کا انہیں جہاں بھی موقع ملا انہوں نے اپنے مرشد کے ساتھ ہو کر بھی کیا اور پھر پاکستان بننے سے پہلے سرحد کے غیور پٹھانوں میں جہاد کی روح پھونکی۔

البتہ وہ مردِ خدا تھے اور مردِ خدا کو صرف خدا اور رسول ﷺ کا دھیان رہتا ہے۔ اس معاملہ میں وہ ثابت قدم بھی رہتا ہے اور مطمئن بھی۔

خاکسار شاہد احمد خان

مورخہ ۱۹۸۵ء۔۳۔۱۸

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انوار القرآن

﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ﴾

رسول کریم ﷺ نے ۶ ہجری میں جب روم کے بادشاہ ہرقل کو بذریعہ خط دعوتِ اسلام دی تو اس نے ابو سفیان کو' جو اتفاق سے اُس وقت اس کے دارالسلطنت میں موجود تھے' بلا کر اسلامی تعلیمات اور رسول کریم ﷺ کے حالاتِ مبارک دریافت کیے۔ حالات معلوم ہونے کے بعد ہرقل نے یہ الفاظ کہے :

اِنْ يَّكُ مَا تَقُوْلُ حَقًّا فَاِنَّهٗ نَبِيٌّ وَّلَيَبْلُغَنَّ مُلْكُهٗ مَا تَحْتَ قَدَمِي

"جو کچھ تم کہتے ہو اگر یہ سچ ہے تو وہ یقیناً نبی ہیں اور ان کی سلطنت ضرور میرے قدموں کی زمین تک پہنچے گی۔"

اسلامی تعلیم کے نتائج کے متعلق ہرقل کی یہ رائے بالکل صحیح ثابت ہوئی اور چند سال کے عرصہ میں عرب کے بت پرست جاہل لوگ دنیا میں سب سے زیادہ خدا پرست' سب سے زیادہ متمدن' سب سے زیادہ تہذیب یافتہ اور طاقت ور بن گئے۔ قرآن مجید کی تعلیم نے نہایت جلد ان میں ایسے کامل ترین اخلاق پیدا کر دیئے کہ ایک طرف تو چند سال میں دنیا کی سب سے بڑی سلطنتوں نے متفقہ طور سے ان کے سامنے سر اطاعت خم کر دیا اور دوسری طرف وہ سب سے زیادہ روحانی اور خدا پرست بن گئے۔ جنگ قادسیہ کے موقع پر' جو ۱۵ ہجری میں ہوئی تھی' ایک ایرانی جرنیل نے کہا تھا کہ "ہم مسلمانوں سے مقابلہ نہیں کر سکتے۔ یہ رات کو فرشتہ ہوتے ہیں اور دن میں شیر"۔ قرآن مجید کی تعلیم کے حیرت انگیز نتائج پر موجودہ زمانہ کے غیر مسلم بھی ششدر اور انگشت بدنداں ہیں۔ اَلْفَضْلُ مَا شَهِدَتْ بِهِ الْاَعْدَاءُ ۔

خوش تر آں باشد کہ سرِ دلبراں
گفتہ آید در حدیثِ دیگراں

قرآن شریف کے متعلق جرمن مستشرق ایمینول ڈیوش (Emmanuel Deutsck) لکھتا ہے :

"اس کتاب کی مدد سے عربوں نے سکندرِ اعظم اور رومیوں کی سلطنتوں سے بڑی دنیا فتح کر لی۔ فتوحات کا جو کام رومیوں سے سینکڑوں برس میں ہوا تھا عربوں نے اسے اس وقت کے دسویں حصّے میں انجام پر پہنچایا۔ اسی قرآن کی مدد سے تمام سامی اقوام میں صرف عرب ہی یورپ میں شاہانہ حیثیت سے داخل ہوئے' جہاں اہل فینشیا بطور تاجروں کے اور یہودی لوگ پناہ گزینوں اور اسیروں کی حالت میں پہنچے۔ ان عربوں نے بنی نوعِ انسان کو روشنی دکھلائی۔ اور جبکہ چاروں طرف تاریکی چھائی ہوئی تھی' ان عربوں نے یونان کی عقل و دانش کو زندہ کیا اور مغرب اور مشرق کو فلسفہ' طب اور علم ہیئت کی تعلیم دی اور موجودہ سائنس کے جنم لینے میں انہوں نے حصّہ لیا۔ ہم ہمیشہ اُس روز کا ماتم کریں گے جس دن غرناطہ عربوں کے ہاتھوں سے نکل گیا۔"

ڈاکٹر سیموئیل جانسن (Dr. Samuel Johnson) نے لکھا ہے :

"قرآن کے مطالب ایسے ہمہ گیر اور ہر زمانہ کے لئے اس قدر موزوں ہیں کہ زمانہ کی تمام صدائیں خواہ مخواہ اس کو قبول کر لیتی ہیں اور وہ محلوں' ریگستانوں' شہروں اور سلطنتوں میں گونجتا ہے۔ قرآن نے اوّل تو اپنے منتخب قلوب کو تمام دنیا کے فتح کرنے کے لئے مشتعل کر دیا اور اس کے بعد وہ ایسی کارکن قوت بن گیا جس کے ذریعے سے جس وقت عیسائیت تاریکی کی ملکہ بنی ہوئی تھی' یونان اور ایشیا کی تمام روشنی عیسائی یورپ کے گہرے اندھیرے میں پہنچی۔"

راڈویل کے انگریزی ترجمہ میں قرآن مجید کے دیباچہ میں مارگولیتھ لکھتا ہے :

"قرآن نے اوّل تو جزیرہ نمائے عرب کے مختلف صحرائی قبیلوں کو ایک مشاہیر کی قوم میں تبدیل کر دیا اور اس کے بعد اس نے اسلامی دنیا کی وہ عظیم الشان سیاسی' مذہبی جمعیتیں قائم کیں جو آج یورپ اور مشرق کے لئے ایک بڑی طاقت کا درجہ رکھتی ہیں۔ قران کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اس جدید علمی اور فلسفی تحریک کا آغاز کرنے والا ہے جس نے ازمنۂ وسطیٰ میں بہترین دل و دماغ رکھنے والے یہودی اور عیسائیوں پر گہرا اثر ڈالا ہے۔ تحقیقات سے یہ ظاہر ہو گیا ہے کہ یورپ

میں علم کے دورِ جدید سے کئی صدیوں پیشتر یورپ کے علماء فلسفہ 'ہندسہ' ہیئت اور دیگر علوم کے متعلق جو کچھ جانتے تھے وہ تقریباً سب کا سب اصلی عربی کتابوں کے لاطینی ترجموں کے ذریعے سے انہیں حاصل ہوا تھا۔ قرآن ہی نے شروع میں کنایتاً ان علوم کے حاصل کرنے کا ذوق و شوق عربوں اور ان کے دوستوں میں پیدا کیا تھا"۔

مشہور جرمن فاضل گرٹی(Goethe) کے قلب پر قرآن مجید کی تعلیم کا جو اثر ہوا وہ اسی کے الفاظ میں حسب ذیل ہے :

"قرآن جلد اپنی طرف متوجہ کرلیتا ہے اور متحیر کر دیتا ہے اور آخر میں ہم اس کی عزت اور احترام کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ اس طرح یہ کتاب تمام زمانوں میں نہایت قوی اثر کرتی رہے گی۔"

۱۸۸۴ء میں لڈولف کریل(Ludolf Krehl) نے رسول کریم ﷺ کے حالاتِ مبارک شائع کئے تھے۔ اپنی کتاب میں فاضل موصوف نے قرآن مجید کے متعلق یہ درج کیا ہے :

"قرآن میں عقائد' اخلاق اور اُن کی بناء پر قانون کا مکمل مجموعہ موجود ہے۔ اس میں ایک وسیع جمہوری سلطنت کے ہر شعبہ کی بنیادیں بھی رکھ دی گئی ہیں۔ تعلیم' عدالت' حربی انتظامات' مالیات اور نہایت محتاط قانونِ غرباء وغیرہ کی بنیادیں خدائے واحد کے یقین پر رکھی گئی ہیں۔"

راڈویل اپنے انگریزی ترجمہ قرآن مجید کے دیباچہ میں رقمطراز ہے :

"یہ ضرور تسلیم کرنا پڑے گا کہ اللہ تعالٰی کا جو تخیل بلحاظ صفاتِ قدرت' علم' عام ربوبیت اور وحدانیت کے قرآن میں موجود ہے اس بناء پر قرآن بہترین تعریف اور توصیف کا مستحق ہے۔ اس کتاب میں آسمان اور زمین کے واحد خدا پر کامل یقین اور بھروسہ کی گہری اور پُرجوش تعلیم موجود ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ قرآن نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ اس کتاب کی تعلیم میں ایسے عناصر موجود ہیں جن کے ذریعے سے زبردست اقوام اور فتوحات کرنے والی سلطنتیں بن سکتی ہیں ۔ قرآن ہی کی وجہ سے چھٹی صدی عیسوی میں ایک خشک جزیرہ نما کے غریب اور جاہل باشندے نہ صرف ایک نئے مذہب کے پُرجوش اور مخلص جاں نثار پیرو بن گئے بلکہ انہوں

نے ساتویں صدی میں ایران فتح کر لیا اور آٹھویں صدی میں افریقہ کے شمالی ساحلی علاقے اور اسپین کا بڑا حصہ اُن کے زیر نگیں ہو گیا۔ نویں صدی میں پنجاب اور اس کے بعد تمام ہندوستان بھی مسلمانوں کے حصہ میں آیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا سیدھے سادے چرواہے اور عرب کے بادیہ گرد بدوی لوگ ایک ساحر کی طلسمی چھڑی کی مدد سے یکایک سلطنتوں کے بانیوں' بڑے شہروں کے تعمیر کرنے والوں اور کتب خانوں کے قائم کرنے والوں کی حیثیت میں منتقل ہو گئے . . . . .
فسطاط' بغداد' قرطبہ اور دہلی مسلمانوں کی اس طاقت کے شاہد ہیں جس سے عیسائی یورپ کانپتا تھا۔ قرآن مجید اس قوت عظیم کا حامل ہے اور اس کی تعلیم میں وہ اُصول موجود ہیں جو عملی قوتوں کا سرچشمہ ہیں . . . . بحیثیت ایک مجموعہ قوانین ہونے کے اور بحیثیت اپنے مذہبی نظام تعلیم کے اس کتاب کی فوقیت اور خوبیوں کا اندازہ ان تبدیلیوں سے ہو سکتا ہے جو اس کتاب کے ذریعہ سے ان لوگوں کے عادات و اطوار اور عقائد میں واقع ہوئیں جنہوں نے اس کتاب کو قبول کیا۔ قرآن نے ان کی بُت پرستی کو مٹادیا اور ان میں نیچر کی طاقتوں اور جنّات اور فرشتوں کی پوجا کے عوض ایک خدا کی پرستش کو رائج کیا' ان میں قتل اولاد کو بند کیا اور ان کے کثیر ضعیف الاعتقادی کے رواجات کو موقوف کیا۔ مسئلہ نکاح میں عورتوں کی تعداد کو مقررہ طور پر محدود کیا۔ ان وجوہ سے قرآن بے شک اپنے پیروؤں کے لئے باعث رحمت و برکت ہے۔"

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ قرآن مجید ذریعۂ شفاء اور رحمت ہے :

﴿ وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴾

(بنی اسرائیل : ۸۲)

اور ہم قرآن کو مؤمنوں کے لئے شفاء اور رحمت بنا کر نازل کر رہے ہیں۔"

قرآن مجید میں ایسی تعلیم موجود ہے کہ شاہ ہرقل جیسے عقلمند غیر مسلموں نے بھی اس تعلیم کے ظاہری نتائج پیدا ہونے سے پیشتر ہی اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیا تھا کہ یہ تعلیم ایسے کامل ترین اخلاق پیدا کرنے والی ہے کہ جن لوگوں پر اس کا اثر ہو گا وہ نہایت جلد دنیا میں بہترین اور قوی ترین بن جائیں گے۔

قرآن مجید کی تعلیم شائع ہونے اور اس کے نتائج پیدا ہو چکنے کے بعد اس تعلیم کے

مخالفین بھی اعتراف کرنے پر مجبور ہو گئے کہ قرآن مجید کی تعلیم میں ایسے عناصر موجود ہیں جن کے ذریعے سے زبردست اقوام اور فاتح سلطنتیں بن سکتی ہیں۔ اور اس تعلیم میں وہ اُصول موجود ہیں جو عملی قوموں کا سرچشمہ ہیں، جن کی وجہ سے ایک خشک جزیرہ نما کے باشندے نہ صرف خداپرست اور روحانی بن گئے بلکہ دنیا کی بہترین سلطنتوں کے مالک ہو کر انہوں نے علم و فضل کی روشنی تمام عالم میں پھیلادی۔ سیرت ابن ہشام جلد اول صفحہ ۱۱۶ میں درج ہے کہ جب حبش کے بادشاہ نجاشی نے حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو دربار میں بلایا اور اُن سے اسلامی تعلیم کے بارے میں دریافت کیا اور کہا کہ تم نے اپنے آبائی طریقے کو چھوڑ کر اسلام کیوں اختیار کرلیا ہے تو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے یہ جواب فرمایا :

ایها الملک کنا قوما اهل جاهلية نعبدالاصنام وناکل المیتة وناتی الفواحش ونقطع الارحام ونسیء الاجوار ویاکل القوی منا الضعیف فکنا علی ذلک حتی بعث اللّٰه الینا رسولا منا نعرف نسبه وامانته وعفافه فدعانا الی الله لنوحده ونعبده ونخلع ماکنا نعبد وآباء نا من دونه من الحجارة والاوثان وامرنا بصدق الحدیث واداء الامانة وصلة الرحم وحسن الجوار والکف عن المحارم والدماء ونهانا عن الفواحش وقول الزور و اکل مال الیتیم وقذف المحصنة وامرنا ان نعبد اللّٰه وحده لانشرک به شینا وامرنا بالصلٰوة والزکٰوة والصیام — فعدد علیه امور الاسلام فصدقناه وآمنا به واتبعناه علی ماجاء به من اللّٰه فعبدنا وحده فلم نشرک به شینا وحرمنا ما حرم علینا واحللنا ما احل لنا

"اے بادشاہ! ہم جاہل تھے اور بتوں کی پرستش کیا کرتے تھے، مردار کھاتے تھے اور بے حیائی کے کام کرتے تھے، قطع رحمی کرتے تھے اور ہمسایوں سے برائی کرتے تھے، ہم میں سے قوی ضعیف کو کھا جاتا تھا۔ ہم اسی حالت میں تھے کہ اللہ نے ہماری طرف رسول بھیجا جس کی نسبت امانت اور پاک دامنی سے ہم خوب واقف ہیں۔ اس نے ہمیں توحید کی دعوت دی تاکہ ہم ایک اللہ کی عبادت کریں،

اور ہم اور ہمارے آباء پہلے جن بتوں اور پتھروں کی عبادت کیا کرتے تھے ان کو چھوڑ دیں۔ اور اس نے ہمیں سچ بولنے' امانت ادا کرنے' صلہ رحمی کرنے' ہمسایوں کے ساتھ نیکی کرنے اور محرمات اور باہمی خون ریزی سے بچنے کا حکم دیا اور بے حیائیوں' جھوٹی باتوں' یتیموں کا مال کھانے اور عفیفہ عورتوں پر تہمت لگانے سے منع کیا۔ اور اس بات کا حکم دیا کہ ہم ایک ہی خدا کی پرستش کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں۔ اور ہمیں نماز' زکوٰۃ اور روزے کا حکم دیا۔ حضرت جعفرؓ نے سب اسلامی احکام نجاشی کو گن کر سنائے اور اس کے بعد فرمایا کہ ہم نے اس نبیؐ کی تصدیق کی اور اس پر ایمان لائے اور جو کچھ وہ خدا کی طرف سے لایا ہے ہم نے سب کو تسلیم کیا' اس لئے ہم صرف ایک ہی خدا کی عبادت کرتے ہیں اور کسی کو اس کا شریک نہیں بناتے اور جو چیز اس نے حرام کی ہے اُس کو حرام سمجھتے ہیں اور جو چیز اُس نے حلال کی ہے اُس کو حلال سمجھتے ہیں۔"

علاوہ روحانی اور اخلاقی تعلیم کے قرآن مجید میں ایسی سیاسی تعلیم موجود ہے کہ جو کام رومیوں سے سینکڑوں برس میں ہو سکا تھا اس سے زیادہ کام قرآن مجید کے تعلیم یافتہ لوگوں نے چند سالوں میں ہی انجام پر پہنچا دیا۔ چنانچہ لڈولف کریہل (Ludolf Krehl) قرآن شریف کے متعلق یہ لکھنے پر مجبور ہو گیا :

There are also the foundations laid for every institution of an Extensive Commonwealth.

"قرآن مجید میں ایک وسیع جمہوری سلطنت کے ہر شعبہ کی بنیادیں بھی رکھ دی گئی ہیں۔"

باوجود اس کے موجودہ زمانے کے مسلمانوں کی حالت خراب ہے۔ نئی حکومتیں حاصل کرنا تو درکنار خود بزرگوں کی حاصل کی ہوئی سلطنتیں بھی ہاتھ سے رفتہ رفتہ نکل چکی ہیں اور جو باقی ہیں وہ کمزور حالت میں ہیں۔

حکیم دعوے کرتا ہے کہ جو نسخے میرے پاس موجود ہیں ان کے استعمال سے تمام امراض دور ہو جاتے ہیں۔ اس کے بعد مریضوں پر اُن کا تجربہ کیا جاتا ہے جس سے وہ مریض نہ خود پورے تندرست' نہایت قوی اور توانا ہو جاتے ہیں بلکہ اپنے ہم عصر دیگر

اقوامِ عالم کے حق میں طبیبِ حاذق کا کام دینے لگتے ہیں' یہاں تک کہ مخالف بھی اپنے تجربہ سے یہ گواہی دیتے ہیں کہ واقعی یہ نسخے اکسیر کا حکم رکھتے ہیں اور یہ کہ اپنی تاثیر کے لحاظ سے ایسے تریاق نہ کبھی دیکھے گئے نہ سنے گئے۔ پھر ایسی اکسیر اور تریاق ہمارے پاس موجود ہو تو کس قدر بدنصیبی اور سیاہ بختی ہے کہ ہم اس سے فائدہ نہ اٹھائیں اور روز بروز اپنی آنکھوں سے اپنی ذلتوں اور تباہیوں کو دیکھ کر بھی صراطِ مستقیم پر چلنے کی طرف ہماری توجہ نہ ہو۔

آج بھی قرآن مجید میں وہی تعلیم موجود ہے جو بنی نوعِ انسان کے لئے ایسا مکمل قانون پیش کرتی ہے جس سے انسان انتہائی "روحانی" اور "دنیاوی" ترقی ساتھ ساتھ کر سکے۔ لہٰذا ہمیں غور کرنا چاہئے کہ ہم کیوں کمزور اور پست حالت میں ہیں اور آج ہمیں وہ دنیاوی اور روحانی عروج کیوں نہیں نصیب ہوتا جس کا وعدہ قرآن مجید میں مسلمانوں سے کیا گیا ہے اور جس کا ظہور تمام دنیا نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے۔ بڑی مصیبت تو یہ ہے کہ ہمیں اس تباہی اور بربادی کا احساس ہی نہیں ؎

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

اکسیر اور تریاق بھی موجود ہو اور مریض اور مسموم بھی اچھا نہ ہوتا ہو' اس کی یہی دو وجوہ ہو سکتے ہیں کہ یا تو اکسیر اور تریاق استعمال نہیں کیا جاتا' اگر استعمال کیا جاتا ہے تو صحیح اور مکمل طریقہ سے اور مناسب مقدار میں نہیں کیا جاتا۔

دوا جب ہی نفع پہنچاتی ہے جب وہ صحیح اور مناسب طریقہ سے مقررہ مقدار میں استعمال کی جائے۔ اگر غلط اور غیر مناسب طریقے سے استعمال کی جائے اور نسخے کے اجزاء صحیح مقدار میں نہ دیئے جائیں تو وہی دوا زہر کا کام بھی دے جاتی ہے یا مطلق بے اثر ثابت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو ذریعۂ شفا فرمایا ہے اور تجربہ نے بھی ثابت کر دیا ہے۔ باوجود اس ذریعۂ شفا کے جب ہم خراب حالت میں ہیں تو یہ لازمی ہے کہ یا تو ہم اس ذریعے کو استعمال ہی نہیں کرتے' یا اگر کرتے ہیں تو غلط اور غیر مناسب طریقے سے۔

ہماری قوم کا ایک حصہ تو قرآن مجید سے بالکل ہی محروم ہے اور دوسرا حصہ اس نسخہ

کیمیا کے تمام اجزاء کو مقررہ مقدار اور صحیح طریقہ سے استعمال نہیں کرتا۔ اسی وجہ سے موجودہ خراب نتائج پیدا ہو رہے ہیں۔ قوم کا جو حصّہ تعلیم قرآن سے محروم ہے اس کے متعلق کسی بحث کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر وہ بُری حالت میں ہے تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ جو دوا کو اور حفظ صحت کے اصول کو استعمال نہ کرے گا وہ خواہ مخواہ مختلف امراض میں گھرا رہے گا۔ البتہ قوم کے دوسرے حصّے کی حالت ضرور غور طلب ہے جو بہترین تریاق کے فوائد سے محروم ہے ؎

دریا رود از چشم لب تر نشود ہرگز
ایں طرفہ تماشا بیں لب تشنہ بآب اندر!

قرآن مجید کی تعلیم سے استفادہ کا طریقہ

قبل اس کے کہ ہم اس پر غور کریں کہ قوم کا ایک حصّہ کس وجہ سے تعلیم قرآن کے بہترین نتائج اور ثمرات سے محروم ہے، بہتر ہے کہ ہم یہ دریافت کرلیں کہ قرآن مجید کی تعلیم سے فائدہ اٹھانے کا مقررہ طریقہ کیا ہے۔ اس کے بعد فیصلہ کرنے میں ہمیں آسانی ہو گی۔ جب کوئی حکیم حاذق نسخہ لکھتا ہے تو طریقہ استعمال بھی ضرور بتلا دیتا ہے۔ اسی طرح ضروری ہے کہ قرآن مجید کی تعلیم کا طریقہ بھی ہمیں اسی میں ملنا چاہئے۔ حسب ذیل آیتوں سے یہ طریقہ معلوم ہو سکتا ہے:

﴿ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ○ ﴾

(القمر : ۱۷، ۲۲، ۳۲، ۴۰)

"اور ہم نے قرآن کو لوگوں کے نصیحت پکڑنے کے لئے آسان کر دیا ہے، تو کوئی ہے کہ نصیحت پکڑے۔"

﴿ لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○ ﴾

(الانبیاء : ۱۰)

"(لوگو!) ہم نے تمہاری طرف (یہ قرآن ایسی) کتاب اتاری ہے جس میں تمہارا ذکر ہے، کیا تم پھر نہیں سمجھتے۔"

﴿ وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ

يَتَذَكَّرُوْنَ○ ﴾ (الزمر : ۲۷)

"اور ہم نے لوگوں کو سمجھانے کے لئے اس قرآن میں سب ہی طرح کی مثالیں بیان کی ہیں تاکہ یہ لوگ نصیحت پکڑیں۔"

﴿ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ○ ﴾ (الاعراف : ۱۷۶)

"ان کو قصے سناؤ تاکہ وہ غور کریں۔"

﴿ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ○ ﴾ (یونس : ۲۴)

"غور کرنے والوں کے لئے ہم اس طرح آیات تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔"

﴿ وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ۚ وَجَآءَكَ فِيْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ○ ﴾ (ھود : ۱۲۰)

"(اے پیغمبر! دوسرے) پیغمبروں کے جتنے قصص ہم نے تم سے بیان کئے ہیں' ان کے ذریعے ہم تمہارے دل کی ڈھارس بندھاتے ہیں اور ان (قصوں کے ضمن) میں (ایک تو جو) حق بات (تھی وہ) تمہارے پاس پہنچی اور (اس کے علاوہ ان میں) مسلمانوں کے لئے نصیحت اور یاد دہانی بھی ہے۔"

﴿ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا○ ﴾ (المزمل : ۴)

"اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرو۔"

﴿ اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ ... ﴾ (المؤمنون : ۶۸)

"کیا ان لوگوں نے ہمارے اس ارشاد (یعنی قرآن) میں غور ہی نہیں کیا..."

﴿ وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا○ ﴾ (الفرقان : ۷۳)

"اور نیز وہ لوگ کہ جب اُن کو اُن کے پروردگار کی آیتیں سنا سنا کر نصیحت کی جائے تو اندھے اور بہرے ہو کر ان پر نہ گریں۔"

﴿ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴾ (ص : ۲۹)

"اے پیغمبر! یہ قرآن) بڑی برکت والی کتاب ہے جو ہم نے تمہاری طرف اتاری ہے تاکہ لوگ اس کی آیتوں پر غور کریں اور جو عقل رکھتے ہیں (اس کے مطالب

سے) نصیحت پکڑیں۔"

﴿ اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ ﴾ (الزخرف : ۳)

"ہم نے اس کو صاف اور سلیس عربی زبان کا قرآن بنایا ہے تاکہ تم اس کو سمجھو۔"

﴿ فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝ ﴾ (الدخان : ۵۸)

"پس اس کو ہم نے تیری زبان میں آسان کیا ہے تاکہ وہ نصیحت پکڑیں۔"

﴿ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ﴾ (محمد : ۲۴)

"کیا یہ لوگ قرآن کے مطالب کو نہیں سوچتے یا دلوں پر تالے لگے ہیں۔"

﴿ فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِيْٓ اُوْحِيَ اِلَيْكَ ۚ اِنَّكَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ ۚ وَسَوْفَ تُسْــَٔلُوْنَ ۝ ﴾

(الزخرف : ۴۳،۴۴)

"تو اے پیغمبر! قرآن جو تمہاری طرف وحی کیا گیا ہے اس کو خوب مضبوط پکڑے رہو' اس میں شک نہیں کہ تم سیدھے راستہ پر ہو اور یہ قرآن تمہارے اور تمہاری قوم کے حق میں نصیحت ہے اور آگے چل کر تم سب سے اس کی بابت باز پرس ہونی ہے۔"

قرآن مجید میں جو طریقہ اس کو پڑھنے اور اس سے فائدہ اٹھانے کا ہے' وہ صاف طور سے واضح ہو جاتا ہے۔ مندرجہ بالا آیتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن مجید نہایت غور و خوض سے پڑھو' اور محض اس کا پڑھنا ہی کافی نہ خیال کرو بلکہ اس کا مطلب بھی سمجھو اور پوری طرح سے اس میں فکر اور تدبر کرو۔

نیز حسب ذیل آیتوں میں ارشاد ہوتا ہے کہ جو کچھ پڑھو اس کے مطابق صحیح عمل کرو' کیونکہ تمہاری پیدائش کا مقصد ہی عمل ہے۔

﴿ يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوْبَ عَلَيْكُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ ﴾ (النساء : ۲۶)

"اللہ چاہتا ہے کہ (انبیاء اور صلحا) جو تم سے پہلے ہو گزرے ہیں ان کے طریقے تم سے کھول کھول کر بیان کرے اور تم کو انہی طریقوں پر چلائے اور اپنی رحمت کے

ساتھ تمہاری طرف متوجہ ہو' اور اللہ علیم و حکیم ہے۔"

﴿ اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ﴾
(المُلک : ۲)

"جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا' تا کہ تم لوگوں کو آزمائے کہ تم میں کون اچھے عمل کرتا ہے۔"

قرآن مجید میں ایمان کے ساتھ عمل صالح لازمی قرار دیا گیا ہے۔ اور جو وعدے مسلمانوں سے کئے گئے ہیں ان میں ایمان کے ساتھ عمل صالح کی شرط لگا دی گئی ہے۔

﴿ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ... ﴾ (النور : ۵۵)

"تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل بھی کرتے ہیں ان سے اللہ کا وعدہ ہے کہ ان کو ملک کی خلافت و سلطنت ضرور عطا کرے گا....."

قرآن مجید میں یہ بھی بیان کر دیا گیا ہے کہ اس تعلیم پر عمل کرنے میں رسول اللہ ﷺ کو بطورِ نمونہ پیش نظر رکھو' کیونکہ کسی تعلیم پر عمل کرنے میں آسانی اس طرح ہو سکتی ہے کہ ایک مجسّم نمونہ اس پر عمل کرنے کا پیش نظر رہے' تا کہ لوگ افراط و تفریط سے محفوظ رہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

﴿ لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ... ﴾ (الاحزاب : ۲۱)

"(مسلمانو!) تمہارے لئے پیروی کرنے کو رسول اللہ کا عمدہ نمونہ موجود ہے۔"

مزید ہدایت کے لئے قرآن مجید سے یہ بھی واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ مہاجرین اور انصار رضی اللہ عنہم نے رسول کریم ﷺ کی صحیح پیروی کی ہے اور اس لئے اللہ تعالیٰ اُن سے خوش ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ جو لوگ مہاجرین اور انصار کی سچی پیروی کریں گے ان سے خدا خوش ہو گا۔

﴿ وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ... ﴾ (التوبۃ : ۱۰۰)

"اور آگے بڑھ جانے والے پہلے مہاجرین اور انصار اور وہ لوگ کہ پیروی کرتے ہیں ان کی ساتھ نیکی کے' راضی ہوا اللہ اُن سے اور راضی ہوئے وہ

اللہ سے....."

انہی طریقوں سے حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم نے قرآن مجید سے فیض اٹھایا۔ خود سرورِ کائنات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اور حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قرآن شریف پر بہت غور فرماتے تھے۔ بعض اوقات صرف ایک آیت کو بار بار تلاوت فرماتے تھے یہاں تک کہ پوری رات گزر کر صبح ہو جاتی تھی۔ زادالمعاد (جلد اول 'صفحہ ۹۰) میں درج ہے :

وَكَانَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُرَتِّلُ السُّوْرَةَ حَتّٰى تَكُوْنَ اَطْوَلَ مِنْ اَطْوَلِ مِنْهَا وَقَامَ بِآيَةٍ يُرَدِّدُهَا حَتَّى الصَّبَاحِ

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سورت کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرتے تھے ' یہاں تک کہ ایک سورت اپنے سے بڑی سورت سے بڑی ہو جاتی تھی اور بعض دفعہ ایک ہی آیت پر ٹھہر جاتے تھے اور اس کو بار بار صبح تک پڑھتے تھے۔"

حضرت ابن مسعود و حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کی رائے ہے :

ان الترتیل و التدبر مع قلة القراءة افضل من سرعة القراءة مع کثرتها' بان المقصود من القراءة فهمه وتدبره والفقه فيه و العمل به' وتلاوته و حفظه وسيلة الى معانيه

"آہستہ آہستہ پڑھنا اور غور کرنا جس میں قرآن شریف اگرچہ تھوڑا پڑھا جائے یہ اس سے بہتر ہے کہ جلد پڑھا جائے اور زیادہ پڑھا جائے ' کیونکہ پڑھنے سے مقصود سمجھنا اور غور کرنا ہے تاکہ اس پر عمل ہو سکے ' اور اس کا پڑھنا اور یاد رکھنا معنی تک پہنچنے کا وسیلہ ہے۔"

زادالمعاد میں یہ بھی تحریر ہے :

کما قال بعض السلف نزل القران ليعمل به فاتخذوا تلاوته عملا ولهذا كان اجل القرآن هم العالمون به والعاملون بما فيه وان لم يحفظوه عن ظهر قلب' واما من حفظه ولم يفهمه ولم يعمل به فليس من اهله وان اقام حروفه اقامة السهم واما مجرد التلاوة غير فهم و لا تدبر فيفعلها البر والفاجر و المؤمن و المنافق كما

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم : ((مَثَلُ الْمُنَافِقِ الَّذِیْ یَقْرَءُ الْقُرْآنَ کَمَثَلِ الرَّیْحَانَةِ رِیْحُھَا طَیِّبٌ وَطَعْمُھَا مُرٌّ)) و قال شعبة حدثنا ابو حمزہ قال قلتُ لابن عباس انی رجل سریع القراءۃ و ربما قرأتُ القرآن فی لیلة مرۃ او مرتین۔ فقال ابن عباس : لان اقرأُ سورۃ واحدۃ اعجب الی من ان افعل ذلک الذی تفعل' فان کنت فاعلا لا بد فاقرء قراءۃ تسمع اذنیک و یعیه قلبک' قال ابن مسعود قفوا عنه عجائبه و حرکوا به القلوب' و لا یکن ھم احدکم آخر السورۃ

"جیسا کہ بعض سلف نے کہا ہے کہ قرآن اس لئے نازل ہوا ہے تا کہ اس پر عمل کیا جائے' مگر انہوں نے اس کی تلاوت کو ایک مستقل عمل بنالیا۔ چنانچہ گزشتہ طبقات میں اہل قرآن وہی سمجھے جاتے تھے جو قرآن شریف کے عالم اور عامل تھے' اگرچہ اُن کو زبانی حفظ بھی نہ ہو تا تھا' لیکن جس شخص نے قرآن کو یاد کیا اور اس کے مطالب نہ سمجھے' نہ اُن پر عمل کیا تو وہ اہل قرآن میں سے نہیں ہے' اگرچہ اس کے حروف کو تیر کی طرح اس نے درست کرلیا ہو۔ محض تلاوت جو کہ فہم اور تدبر سے خالی ہو اس کو تو ہر نیک و بد مؤمن و منافق کر سکتا ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ "جو منافق قرآن شریف پڑھتا ہے اس کی مثال ریحان کی سی ہے کہ اس کی بو عمدہ اور مزہ کڑوا ہے۔" شعبہ نے کہا کہ ابو حمزہ نے ہم سے بیان کیا کہ میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میں تیز پڑھنے والا ہوں' بعض اوقات ایک رات میں ایک یا دو مرتبہ قرآن شریف ختم کر دیتا ہوں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مجھے ایسے قرآن پڑھنے سے ایک سورۃ پڑھنا بہتر معلوم ہوتی ہے۔ بہرحال اگر تم تیزی سے ہی پڑھنا چاہو تو بھی ایسا پڑھو کہ تمہارے کان سنیں اور تمہارا دل اسے یاد کرلے۔ ابن مسعود نے فرمایا ہے کہ قرآن شریف کے عجائب پر ٹھہر جاؤ اور ان سے دلوں کو حرکت دو اور تمہاری یہ کوشش نہ ہو کہ خواہ مخواہ آخر سورۃ تک پہنچو۔"

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایک طرف تو قرآن مجید پر اِس قدر غور فرماتے تھے' دوسری

طرف اس پر پورا عمل فرماتے تھے اور عمل پر اس قدر زور دیتے تھے کہ قرآن کو اس طرح پڑھتے تھے کہ پہلے دس آیتیں پڑھیں اور پھر ان پر عمل کیا' پھر اس کے بعد دس آیتیں پڑھتے تھے اور ان پر عمل کرتے تھے۔ فقط پڑھنے اور سمجھنے ہی کو مقصد نہیں بنایا تھا۔ چنانچہ تفسیر ابن کثیر (پہلی جلد صفحہ نمبر ۵) میں درج ہے:

قال الاعمش ایضا عن ابی وائل عن ابن مسعود قال کان الرجل منا اذا تعلم عشر آیات لم یجاوزھن حتی یعرف معانیھن والعمل بھن' وقال ابو عبدالرحمٰن السلمی حدثنا الذین کانوا یقرءوننا انھم کانوا یقترءون من النبی صلی اللہ علیہ وسلم وکانوا اذا تعلموا عشر آیات لم یخلفوھا حتی یعملوا بما فیھا من العمل' فتعلمنا القرآن والعمل جمیعا

"اعمش نے ابو وائل سے روایت کی ہے اور وہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب کوئی شخص ہم میں سے دس آیتیں سیکھ لیتا تھا تو اس سے زیادہ نہ پڑھتا تھا جب تک کہ ان کے معنی اور ان پر عمل کرنا نہ سیکھ لے۔ ابو عبدالرحمٰن سلمی نے فرمایا کہ ہم سے ان لوگوں نے بیان کیا ہے جو ہم کو پڑھاتے تھے کہ وہ آنحضرت ﷺ سے پڑھا کرتے تھے' اور وہ جس وقت دس آیتیں پڑھ لیتے تھے تو ان سے تجاوز نہ کرتے تھے جب تک کہ ان پر عمل نہ کر لیتے تھے۔ لہٰذا ہم نے قرآن اور اس پر عمل دونوں اکٹھے سیکھے ہیں"۔

اس کے ساتھ ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس پر غور کرتے تھے کہ قرآن مجید کی تعلیم سے پہلے ہماری حالت کیا تھی اور اس تعلیم کے اثر سے ہماری حالت کیا ہو گئی۔ اپنی حالتوں کا موازنہ کرتے رہتے تھے اور قرآن کی تعلیم سے جو اثرات اُن پر ہوتے تھے ان کا پورا اندازہ کرتے تھے۔ حبش کے بادشاہ نجاشی کو جو جواب حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے دیا تھا وہ اس پر شاہد ہے۔

قرآن مجید کی تعلیم کا طریقہ خود قرآن شریف سے اور رسول کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل سے بالکل واضح ہے۔ ہم خود ہی فیصلہ کر سکتے ہیں کہ کس قدر ہم اس طریقہ تعلیم کے مطابق قرآن مجید سے فائدہ اٹھاتے ہیں!!

اب اگر وہی نتائج نہیں پیدا ہوتے تو کیا تعجب کی بات ہے۔ اگر ان نتائج کی خواہش کی جائے تو ضروری ہے کہ اس طریقہ سے قرآن مجید سے فائدہ اٹھایا جائے۔ ہماری نجات اسی طریقہ پر منحصر ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے :

لا یصلح آخر ھذہ الامۃ الا بما صلح اولھا

"اس امت کے آخری حصّے کی اصلاح فقط اسی چیز سے ہوگی جس سے اس کے اوّل کی اصلاح ہوئی۔"

تعلیم قرآن مجید کے مقررہ طریقہ کو چھوڑنے سے ہم قرآن شریف کے صحیح مطالب سے بہت دُور ہو گئے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ مطلوبہ نتائج پیدا نہیں ہوتے۔ مسلمانوں کا ایک حصّہ تو قرآن مجید پڑھتا ہی نہیں، وہ بالکل اس اعلیٰ تعلیم سے محروم ہے۔ لہٰذا اس گروہ کے بارے میں تو کسی بحث کی ضرورت نہیں ہے۔ زیادہ افسوس کے قابل حالت مسلمانوں کے اس دوسرے حصّہ کی ہے جو اپنے آپ کو قرآن شریف کی طرف متوجہ سمجھتا ہے لیکن صحیح طریقہ پر مستفید نہ ہونے کی وجہ سے قرآن شریف سے پورا فیض نہیں اٹھا سکتا۔ اس طبقہ میں سے ایک حصّہ تو قرآن مجید کو سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کرتا، بلکہ نقل الفاظ ہی کو کافی سمجھتا ہے۔ چنانچہ ہمارے اکثر مکاتب میں یہی رنگ ہے۔ دوسرا حصّہ اگرچہ قرآن شریف کے مطالب سمجھنے کی طرف متوجہ ہوتا ہے لیکن بدنصیبی سے وہ ان کے سمجھنے کے مقدمات ہی میں الجھا رہتا ہے اور قرآن شریف پر غور کرنے کی طرف نہ توجہ کرتا ہے اور نہ اسے اس کا وقت ہی مل سکتا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب تفہیماتِ الٰہیہ میں اس طبقہ کی طرف ان الفاظ میں اشارہ فرماتے ہیں :

وا قول لطلبۃ العلم ایھا السُّفھاء المسمون انفسکم بالعلماء اشتغلتم بالعلوم الیونانیین و بالصرف و النحو و ظننتم ان ھذا ھو العلم

"اور میں طالب علموں سے کہتا ہوں کہ اے بیوقوفو جو خود کو علماء کا خطاب دیتے ہو! تم یونانیوں کے علوم میں مشغول ہو گئے ہو اور صرف و نحو میں پھنس گئے ہو اور تمہارا خیال یہ ہے کہ یہ حقیقی علم ہے۔"

اس کے بعد ایک موقعہ پر ارشاد فرماتے ہیں کہ قرآن مجید سمجھنے کے لئے جن مقدمات کی

ضرورت ہے ان کو بقدر ضرورت سیکھا جائے نہ کہ بطورِ مستقل۔ فرماتے ہیں :

اَنْ لَّا تَشْتَغِلُوْا بِالْعُلُوْمِ الْآلِیَۃِ اِلَّا بِاَنَّھَا آلَۃٌ لَا بِاَنَّھَا اُمُوْرٌ مُّسْتَقِلَّۃٌ

"علومِ الٰہیہ میں شغل محض آلہ ہونے کی حیثیت سے کیا جائے نہ کہ اس لحاظ سے کہ وہ مقصود بالذات ہیں"۔

اور چونکہ یہ طبقہ صرف و نحو، منطق، کلام، معانی بدیع وغیرہ فنون کی تکمیل میں اپنی طالب علمی کا تقریباً تمام وقت صرف کر دیتا ہے اس لئے اصل قرآن کی طرف توجہ کرنے کا موقع ہی اس کو نہیں ملتا۔ اور جس قدر قلیل اقل حصہ اپنی تعلیم کے زمانہ کا قرآن شریف میں صرف کرتا ہے وہ بھی مفسرین کے مختلف خیالات معلوم کرنے میں صرف کر دیتا ہے۔ نہایت افسوس ہے کہ آج خالص قرآن کی تعلیم ہی نہیں دی جاتی۔ جو لوگ سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ قرآن کی یہ تعلیم ہوتی ہے، حقیقت میں وہ قرآن کی تعلیم نہیں ہوتی بلکہ مختلف مفسروں کی کتابوں کی تعلیم ہوتی ہے۔ اور حقیقت میں قرآن کی تعلیم اور تفسیری کتب کی تعلیم علیحدہ علیحدہ ہیں، ایک چیز نہیں ہیں۔ قرآن خود ایک مستقل کتاب ہے اور صاف سلیس عربی میں ہے۔ خدائے تعالیٰ قرآن کے بارے میں فرماتے ہیں :

﴿ فَاِنَّمَا یَسَّرْنٰہُ بِلِسَانِکَ لَعَلَّھُمْ یَتَذَکَّرُوْنَ ○ ﴾ (الدخان : ۵۸)

"پس ہم نے اس کو تیری زبان میں آسان کیا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔"

وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّکْرِ فَھَلْ مِنْ مُّدَّکِرٍ ○ ﴾

(القمر : ۱۷، ۲۲، ۳۲، ۴۰)

"اور ہم نے قرآن کو لوگوں کی نصیحت پکڑنے کے لئے آسان کر دیا ہے، تو کوئی ہے کہ نصیحت پکڑے۔"

﴿ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا غَیْرَ ذِیْ عِوَجٍ لَّعَلَّھُمْ یَتَّقُوْنَ ○ ﴾ (الزمر : ۲۸)

"یہ قرآن صاف اور سلیس عربی زبان میں ہے، اس میں کسی طرح کی پیچیدگی نہیں، تاکہ وہ (اس کو سمجھ کر) بُرے انجام سے بچ جائیں۔"

جو لوگ عربی جانتے ہیں وہ اس کو سمجھ سکتے ہیں۔ اور اگر ساتھ ہی رسول کریم ﷺ کا نمونہ پیش نظر رکھیں جس کا حکم خود قرآن شریف میں ہے اور جو صحیح احادیث کے ذریعے سے بالکل محفوظ ہے تو انہیں کسی دوسری چیز کی ضرورت نہیں ہے، اور وہ بالکل

صحیح طور سے قرآن کو سمجھ سکتے ہیں اور اس کے مطابق عمل کر سکتے ہیں۔ اور جو لوگ عربی نہیں جانتے ان کے لئے بہترین ترجمے موجود ہیں۔ وہ ان کے ذریعے سے سمجھ سکتے ہیں۔ لیکن کس قدر افسوس کی بات ہے کہ لوگوں نے سمجھ لیا ہے کہ ہم قرآن کو بالکل نہیں سمجھ سکتے، اس کے سمجھنے کے لئے بہت سے مختلف علوم وفنون حاصل کرنے کی ضرورت ہے اور بڑے جید عالم ہونے کی ضرورت ہے۔ چنانچہ کتاب تقویۃ الایمان صفحہ ۳ میں اس خیال کی طرف اس طرح اشارہ کیا گیا ہے۔

"اس زمانہ میں دین کی بات میں جو لوگ کتنی راہیں چلتے ہیں، کوئی پہلوں کی رسموں کو پکڑتے ہیں، کوئی قصے بزرگوں کے دیکھتے ہیں اور کوئی مولویوں کی باتوں کو جو انہوں نے اپنی ذہن کی تیزی سے نکالی ہیں، سند پکڑتے ہیں۔ اور یہ عوام الناس میں مشہور ہے کہ اللہ رسول ﷺ کا کلام سمجھنا بہت مشکل ہے، اس کو بڑا علم چاہئے، ہم کو وہ طاقت کہاں کہ ان کا کلام سمجھیں، اور اس راہ پر چلنا پڑے۔ بزرگوں کا کام ہے۔ سو ہماری کیا طاقت ہے کہ اس کے موافق چلیں، بلکہ ہم کو یہی باتیں کفایت کرتی ہیں۔ سو یہ بات بہت غلط ہے، اس واسطے کہ اللہ نے فرمایا ہے کہ قرآن مجید میں باتیں بہت صاف صریح ہیں، ان کا سمجھنا مشکل نہیں۔ اور اللہ اور رسول کے کلام کو سمجھنے میں بہت علم نہیں چاہئے کہ پیغمبر تو نادانوں کو راہ بتانے اور جاہلوں کو سمجھانے اور بے علموں کو علم سکھانے کو آئے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ جمعہ میں فرمایا ہے :

﴿ هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ ﴾

(الجمعة : ۲)

"وہ اللہ ہی تو ہے جس نے ان پڑھوں میں انہی میں سے پیغمبر بنا کر بھیجا، وہ ان کو خدا کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور ان کو کتاب اور حکمت سکھاتا ہے، ورنہ اس سے پہلے تو یہ لوگ صریح گمراہی میں مبتلا تھے۔"

سو جو کوئی یہ آیت سن کر پھر کہنے لگے کہ پیغمبر کی بات سوائے عالموں کے کوئی سمجھ نہیں سکتا اور ان کی راہ پر سوائے بزرگوں کے کوئی نہیں سکتا۔ سو اس نے اس آیت کا انکار کیا۔ اس بات کی مثال یہ ہے کہ جیسے ایک بڑا حکیم ہو اور ایک بہت بیمار، پھر کوئی

شخص اس بیمار سے کہے کہ فلانے حکیم کے پاس جاؤ اور اس سے علاج کراؤ۔ اس کے جواب میں وہ بیمار کہے کہ اس حکیم سے علاج کروانا تو بڑے بڑے تندرستوں کا کام ہے' مجھ سے یہ کیونکر ہو سکتا ہے' میں تو سخت بیمار ہوں۔ سو وہ بیمار احمق ہے اور اس حکیم کی حکمت سے انکار رکھتا ہے' اس واسطے کہ حکیم تو بیماروں ہی کے علاج کے واسطے ہے۔ جو تندرستوں کا علاج کرے اور انہی کو اس کی دوا سے فائدہ ہو اور بیماروں کو کچھ فائدہ نہ ہو تو وہ حکیم کاہے کا ہے؟"

حضرت امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب احیاء علوم الدین میں فرماتے ہیں :

"حضرت حسن بصریؒ کا قول ہے کہ تم نے قرآن کی منزلیں ٹھہرائی ہیں اور رات کو اونٹ مقرر کیا ہے کہ اس پر سوار ہو کر اپنی منزلیں قطع کرتے ہو۔ اور جو لوگ تم سے پہلے تھے وہ قرآن مجید کو اپنے پروردگار کے فرمان سمجھتے تھے کہ رات کو ان کے معنی سوچتے اور دن کو ان کی تعمیل کیا کرتے تھے۔ اور حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ قرآن لوگوں پر اس لئے نازل کیا گیا ہے کہ اس کے بموجب عمل کریں۔ لوگوں نے اس کے پڑھنے پڑھانے کو ہی عمل ٹھہرا لیا ہے کہ ایک شخص شروع سے آخر تک قرآن پڑھ جاتا ہے' یہاں تک کہ ایک حرف بھی اس سے نہیں رہتا' مگر اس کے بموجب عمل نہیں کرتا۔ اور توراۃ میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ : اے میرے بندے! تجھے مجھ سے شرم نہیں آتی کہ اگر تو راہ میں ہوتا ہے اور کسی تیرے بھائی کا خط تیرے پاس آتا ہے تو راہ سے کنارہ ہو کر بیٹھ جاتا ہے اور خط کا ایک ایک حرف پڑھتا ہے کہ اس میں سے کوئی مطلب تجھ سے نہیں رہتا۔ اور میں نے جو تجھ پر اپنی کتاب اتاری تو دیکھ تیرے لئے کیسا قول کو مشرح فرمایا اور کس طرح ایک ایک بات کو کئی کئی دفعہ ذکر کیا' اس لئے کہ تو اس کے طول اور عرض کو سمجھے گا' مگر تو اس سے روگردانی کرتا ہے۔ بھلا میں تیرے نزدیک تیرے کسی بھائی سے بھی گیا گزرا کہ اس کے خط کو غور سے پڑھے اور میری کتاب کو بے پروائی سے۔ اے میرے بندے! اگر کوئی تیرا بھائی تیرے پاس آ بیٹھتا ہے تو تُو اس کی طرف بتمام توجہ التفات کر کے ہمہ تن اس کی گفتگو سنتا ہے۔ اور اگر کوئی بول اٹھتا ہے یا اور کوئی کام تجھ کو پیش ہوتا ہے تو تُو اس سے اشارہ کر دیتا ہے کہ ٹھہرو۔ اور میں تیری طرف متوجہ ہوں اور تجھ

سے باتیں کرتا رہوں اور تُو اپنے دل سے میری طرف سے روگرداں! کیا میری قدر تُو اپنے نزدیک اپنے بھائی کے برابر بھی نہیں کرتا"۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ اگر میں سورۂ بقرہ اور آل عمران ٹھہر ٹھہر کر پڑھوں اور ان کو سمجھتا جاؤں تو اس سے اچھا جانتا ہوں کہ سب قرآن کو جلد جلد پڑھ جاؤں۔

اور یہ بھی انہی کا ارشاد ہے کہ میں اگر اِذَا زُلْزِلَتِ اور اَلْقَارِعَۃُ سمجھ کر پڑھوں تو اس سے بہتر سمجھتا ہوں کہ سورۂ بقرہ اور آل عمران کو بہت تیزی سے پڑھ جاؤں۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ سب لوگوں سے خطاب کرتا ہے اور قرآن شریف پڑھنے والا بھی انہی میں سے ہے' تو بے شک وہ خطاب میں شریک ہے۔ اس لئے اس کو فرض کرنا چاہئے کہ اس خطاب سے میں مقصود ہوں۔ اور تلاوت کرنے والا جب اپنے آپ کو مخاطب سمجھے تو اپنا عمل صرف سرسری پڑھنا مقرر نہ کرے بلکہ اس کو اس طرح پڑھے جیسے غلام اپنے آقا کا پروانہ پڑھتا ہے جس میں اس نے لکھا ہو کہ اِس کو سوچ سمجھ کر اِس کے بموجب کاربند ہونا۔ اور اسی جہت سے بعض علماء نے فرمایا ہے کہ یہ قرآن ہمارے رب کی طرف سے خطوط عہد و پیمان کے ساتھ آئے ہیں کہ ان کو نمازوں میں ہم سمجھیں اور تنہائیوں میں ان پر واقف ہوں اور طاعت میں ان کی تعمیل کریں۔ اور حضرت مالک بن دینار کہا کرتے تھے کہ اے قرآن والو! قرآن نے تمہارے دلوں میں کیا بویا ہے؟ قرآن مؤمن کے حق میں بہار ہے جیسے زمین کے حق میں مینہ بہار ہوتا ہے۔ اسی واسطے بعض قاری کہتے ہیں کہ میں نے اپنے استاد کو قرآن سنایا' پھر میں دوبارہ ان کی خدمت میں گیا کہ پھر سناؤں تو انہوں نے مجھے جھڑک دیا اور فرمایا کہ میرے سامنے پڑھنے کو تُو نے عمل ٹھہرالیا۔ جا خدا کے سامنے پڑھ اور دیکھ کہ تجھ کو کیا حکم کرتا ہے اور کیا سمجھاتا ہے۔ اور اسی وجہ سے اصحاب رضی اللہ عنہم کا شغل احوال اور اعمال میں ہوتا تھا۔ اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات کے بعد ان کو اپنی امت کے اختلاف اور پھٹنے کی خبر دی تو وہ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا : یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر میں اُس وقت کو پاؤں تو آپ مجھ کو کیا حکم فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ کلام اللہ کو سیکھنا اور اس کے بموجب عمل کرنا کہ نجات کی صورت وہی ہے۔ میں نے تین بار

سوال کیا۔ آپ نے یہی فرمایا کہ کتاب اللہ کو سیکھنا اور جو کچھ اس میں ہے اس پر عمل کرنا کہ نجات اسی میں ہے۔(ابوداؤد و نسائی در کبریٰ......"

(ماخوذ از مذاق العارفین' ترجمہ احیاء علوم الدین جلد اوّل صفحہ ۲۸۶ تا ۳۰۲)

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے فارسی ترجمہ قرآن "فتح الرحمٰن" کے دیباچے میں فرماتے ہیں :

سائرِ ابناء روزگار که اکثر اوقات بشغلِ معاش مشغول اند۔ در وقتِ فراغ باید که بایکدگر حلقه حلقه بنشینند۔ و کسے که برعبارت فارسی قدرت داشته باشد و اند کے از فن تفسیر بہره یافته یابر عزیزے این ترجمه را گزرانیده بود۔ بقدر وسعتِ وقت یک دو سورة با ترجمه آن بترتیل و تبیّن وقوف برکلام تام بخوانند۔ تاہمه بشنوند۔ و بمعانی آن محظوظ شوند۔ و تشبه پیدا کرده باشند۔ باصحابه کرام که بهمیں دستور حلقه حلقه می نشستند و قاری ایشاں قراءت می کرد۔ این قدر فرق است که صحابه کرام بسلیقه خود زبانِ عربی فهم مے کردند۔ وایں جماعت بتوسط ترجمه فارسیه و چناں که یارانِ سعادت مند مثنوی مولانا جلال الدین رومی و گلستان شیخ سعدی و منطق الطیر شیخ فرید الدین عطار و قصص فارابی و نفحات مولانا عبدالرحمٰن و امثال آن نقل مجلس دارند چه باشد اگر این ترجمه را بہماں اسلوب درمیان آرند و حصه از شغلِ خاطر به ادراکِ آن گمارند۔ اگر آن شغل باکلامِ اولیاء اللّٰه است ایں شغلِ کلام اللّٰه است و اگر آن مواعظِ حکیمان است ایں مواعظ احکم الحاکمین است۔ واگر آں مکتوباتِ عزیزان است ایں مکتوباتِ رب العزت است' شَتَّانَ بَيْنَ الْمَرتَبَتَيْنِ اگر انصاف دہی فائده اصلی از نزولِ قرآن اِتّعاظ است به مواعظِ آن و اهتدا است به ہدایت آن نه صرف تلفظ بآں اگرچه تلفظِ آن ہم مغتنم است پس چه مسلمانی

بدست آورده است۔ کسیے که مدلول قرآن را نه فهمد او کدام حلاوت دارد آنکه مدلول کلام اللّٰه رانه داند۔ قرآن را برا ئے بندگان خود نازل فرمود تا مرضی او از نامرضی باز شناسند و از مکائد نفس و ظلمات اعمال قبیحه و اخلاق خبیثه خلاص شوند۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ "مسلمانوں کو چاہئے کہ فرصت کے وقت حلقہ حلقہ ہو کر بیٹھیں اور جو شخص قرآن شریف کا ترجمہ پڑھ سکے اور تھوڑی سی تفسیر بھی جانتا ہو یا کسی کے سامنے ترجمہ پڑھ چکا ہو' وہ جس قدر وقت ملے قرآن شریف کو مع ترجمے کے اچھی طرح پڑھے تاکہ سب سنیں اور قرآن شریف کے مطالب کو سمجھیں۔ اور اس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشابہت پیدا کریں جو حلقہ حلقہ ہو کر تشریف رکھتے تھے اور قرآن شریف سنتے تھے۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بوجہ مادری زبان ہونے کے قرآن خود سمجھتے تھے اور یہاں کے مسلمان ترجمہ کے ذریعے سمجھیں گے۔ جس طرح لوگ مثنوی مولانا جلال الدین' گلستان شیخ سعدی و منطق الطیر شیخ فرید الدین عطار و فصوص فارابی و نفحات مولانا عبدالرحمٰن اور اسی قسم کی کتابیں پڑھتے ہیں اسی طرح قرآن شریف کا ترجمہ بھی پڑھ سکتے اور سمجھ سکتے ہیں۔ اگر وہ کتابیں اولیاء اللہ کا کلام ہیں تو قرآن مجید خود اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ اگر ان میں حکماء کے وعظ ہیں تو قرآن مجید میں احکم الحاکمین کے فرمان ہیں۔ اگر نظر انصاف سے دیکھا جائے تو قرآن شریف کے نزول کی غرض محض اس کے حروف کا تلفظ نہیں ہے بلکہ قرآن مجید کی ہدایت کے مطابق چلنا ہے' اگرچہ تلفظ بھی غنیمت ہے۔ پس کیسا اسلام ہے اس شخص کا کہ قرآن مجید نہ سمجھے اور کیسی حلاوت اس کے پاس ہے کہ خدا کے کلام کو نہ جانے۔ قرآن اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے نازل فرمایا ہے کہ خدا کی مرضی اور نامرضی کو شناخت کریں اور نفس کے مکر اور برے اعمال کی تاریکیوں اور خراب اخلاق سے نجات حاصل کریں۔"

حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ اپنے اردو ترجمہ قرآن "موضح القرآن" کے دیباچہ میں فرماتے ہیں :

"مسلمان کو لازم ہے کہ اپنے رب کو پہچانے اور اس کے صفات جانے' اور اس کے حکم معلوم کرے اور مرضی و نامرضی تحقیق کرے کہ بغیر اس کے بندگی نہیں۔ اور جو بندگی نہ بجالاوے وہ بندہ بندہ نہیں۔ اور اللہ سبحانہ کی پہچان بتانے سے آتی ہے' کیونکہ آدمی سب چیز سکھانے سے سیکھتا ہے۔ اور بتانے والے' سکھانے والے ہرچند تقریریں کریں اس برابر نہیں جو اللہ نے آپ بتایا۔ اس کے کلام میں جو ہدایت ہے دوسرے میں نہیں۔ پر کلام اس کا عربی زبان ہے اور ہندوستان کو اس کا ادراک محال۔ اس واسطے بندہ عاجز عبدالقادر کو خیال آیا کہ جس طرح ہمارے والد بزرگوار حضرت شیخ ولی اللہ بن عبدالرحیم محدث دہلوی ترجمہ فارسی سہل و آسان کر گئے ہیں ویسے ہی اب ہندی زبان میں قرآن شریف کو ترجمہ کرے۔"

مندرجہ بالا اقتباسات سے اچھی طرح روشن ہو گیا ہو گا کہ قرآن مجید کا مطلب سمجھنا کس قدر ضروری ہے۔ باوجود اس کے ہم قرآن مجید کے معنی سمجھنے کی بالکل کوشش نہیں کرتے اور اپنے دل میں یہ خیال کئے مطمئن بیٹھے ہیں کہ ہم سے اس کے بارے میں باز پرس نہ ہو گی۔ حالانکہ جو لوگ عربی زبان جانتے ہیں یا اس کو سیکھ سکتے ہیں' وہ تو قرآن مجید کو آسانی سے سمجھ سکتے ہیں۔ اور جو لوگ عربی نہیں جانتے یا نہیں سیکھ سکتے وہ ترجموں اور عربی دانوں کے ذریعے قرآن مجید کے مطالب سمجھ سکتے ہیں۔

ہمارے پاس اگر کوئی خط یا تار یا حکم انگریزی زبان میں لکھا آتا ہے تو اگر ہم انگریزی جانتے ہیں تو اس کو خود پڑھ لیتے ہیں اور اگر اس زبان سے واقف نہیں ہوتے تو اس کا ترجمہ اپنی زبان میں کرا لیتے ہیں یا خود کسی انگریزی دان سے اس کا مطلب سمجھ لیتے ہیں اور ہم بالکل بے چین رہتے ہیں جب تک اس خط یا تار یا حکم کا مطلب نہیں معلوم کر لیتے۔ اور کھود کھود کر اس کے معنی پوچھتے ہیں۔ اور اگر کسی لفظ پر ہم کو شبہ رہ جاتا ہے تو پھر دوسرے لوگوں سے اس کا مطلب حل کراتے ہیں۔ افسوس اور صد ہزار افسوس کہ قرآن مجید کے بارے میں ہم ایسے غافل ہیں کہ اس کے مطلب کو سمجھنے کے لئے ہم مطلق کوشش نہیں کرتے۔ کس قدر بدنصیبی اور بدقسمتی کی بات ہے کہ باوجود قرآن کے معنی نہ سمجھنے کے ہم چین و آرام سے بیٹھے ہیں اور ہمیں کوئی رنج و فکر اس کا نہیں ہے۔ اگر کسی

افسر کے پاس سے ہمارے پاس انگریزی زبان میں دستور العمل اور احکام پہنچیں تو ہمیں اطمینان نہیں ہوتا جب تک کہ ان سب کا ترجمہ حرف بحرف ہم خود نہ سن لیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے احکام و ارشادات کا مجموعہ قرآن مجید ہمارے پاس موجود ہے اور ہمیں اس طرف توجہ بھی نہیں ہوتی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن مجید ایسی کتاب ہے جس میں علوم و معارف کے دریا بھرے پڑے ہیں اور جس قدر بھی کوئی شخص اعلیٰ دماغ رکھتا ہو وہ اپنے ظرف کے مطابق علم و حکمت کے موتی اس سے حاصل کر سکتا ہے۔ لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ تشنہ لب اور پیاسے اس آبِ حیات سے محروم رہیں۔ اس کی مثال یہ ہے کہ پانی سے اس زمانہ میں بھاپ حاصل کر کے مختلف کام لئے جاتے ہیں اور ریلوے گاڑیاں وغیرہ چلائی جاتی ہیں۔ پانی سے یہ کام صرف وہ لوگ لے سکتے ہیں جو سائنس سے واقف ہیں، لیکن ہر شخص چاہے وہ کیسا ہی جاہل ہو پانی سے اپنی پیاس بجھا کر زندگی کو برقرار رکھ سکتا ہے۔ اسی طرح مذہبی اور روحانی زندگی کے قائم رکھنے کے لئے جس آبِ حیات کی ضرورت ہے اس کو ہر شخص خواہ وہ جاہل ہو یا عالم، قرآن مجید کے بحر ذخار سے باآسانی حاصل کر سکتا ہے۔ البتہ جو شخص زیادہ عالم ہو گا وہ علم و حکمت کے زیادہ موتی اس سمندر سے حاصل کر سکے گا۔ ہم اس خطرناک غلطی میں مبتلا ہیں کہ چونکہ ہم بڑے عالم نہیں اور ہم قرآن مجید کے زیادہ نکات نہیں سمجھتے اس لئے ہم کو قرآن مجید کا ترجمہ پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس تباہ اور برباد کر دینے والی غلطی کی وجہ سے ہمیں قرآن مجید سے محرومی ہوتی جارہی ہے اور ہماری مذہبی اور روحانی حیات کا خاتمہ ہو رہا ہے۔ زندگی قائم رکھنے کے لئے جس چیز کی جس قدر ضرورت ہے اس کا میسر آنا بھی اللہ تعالیٰ نے اسی نسبت سے آسان کر دیا ہے۔ ہوا اور پانی کس آسانی سے مل سکتے ہیں۔ اسی طرح حیات ایمانی اور روحانی زندگی کی بقاء کے لئے جس تعلیم کی ضرورت ہے وہ قرآن شریف میں نہایت صاف اور روشن طریقے سے موجود ہے اور ہر شخص اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ لیکن افسوس ہم یہ سمجھتے ہیں کہ قرآن تو ہم نہیں سمجھ سکتے البتہ مختلف حضرات نے (اپنے اپنے خیالات کے لحاظ سے) جو شرحیں (تفسیریں) قرآن کریم کی لکھی ہیں وہ ہم سمجھ سکتے ہیں اور انہی کو سمجھنا اور ان شرحوں کے سمجھنے کی کوشش کو لوگ قرآن کی تعلیم سمجھتے ہیں۔ اگر یہ شرحیں اور تفاسیر ایسی ہوتیں کہ فقط قرآن مجید کا صحیح مطلب ہی ادا کرتیں تو

اس میں کوئی نقصان نہ ہوتا، لیکن غضب تو یہ ہے کہ مختلف لوگوں نے مختلف زمانوں میں زمانوں کے مختلف اثرات سے متاثر ہو کر جو طرح طرح کی باتیں اپنی شرحوں اور تفاسیر میں ایسی درج کی ہیں جن میں اور قرآن کی تعلیم میں کوئی مناسبت ہی نہیں ہے؟ لوگ ان باتوں کو قرآن کی تعلیم سمجھنے لگے ہیں اور حقیقت میں اِن کو قرآن کی تعلیم سے کوئی علاقہ نہیں ہے۔

یہ بات واضح کرنا ضروری ہے۔ اس لئے میں قرآن کی شرحوں کا ابتدائی اور انتہائی مختصر خاکہ بطورِ نمونہ ذکر کرتا ہوں۔

شروع میں رسول کریم ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں قرآن مجید کی کسی خاص شرح کے لکھنے کی ضرورت نہیں تھی۔ قرآن مجید عربوں کی مادری زبان میں تھا، اس کو وہ اچھی طرح سمجھتے تھے۔ البتہ جب مسلمانوں کی فتوحات کا دائرہ وسیع ہوا اور کثرت سے عجمی لوگ مسلمان ہونے لگے تو چونکہ ان کی مادری زبان عربی نہ تھی اس لئے ان کو قرآن شریف سمجھنے میں دقت ہوئی۔ اس دقت کے رفع کرنے کے لئے جہاں جہاں قرآن مجید کی عبارت میں عجمیوں کے لئے اشکالات سمجھے گئے ان کے مطالب کو دوسرے ایسے الفاظ اور جملوں کے ذریعے واضح کیا جانے لگا جس کو آسانی سے سمجھا جاسکے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں ان تفسیری جملوں اور فقروں کو کسی کتاب کی شکل میں لکھنے کی مطلق ضرورت نہیں سمجھی گئی، بلکہ جو حضرات قرآن مجید کی تعلیم دیتے تھے، وہ تعلیم دینے کے وقت جہاں ضرورت ہوتی تھی ایسے الفاظ اور فقرات کا استعمال کرتے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تک کے زمانہ میں ان تفسیری الفاظ اور جملوں کی زیادہ ضرورت نہ ہوتی تھی۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہم سے ایسے تفسیری جملے صرف چند مروی ہیں۔

صاحب کشف الظنون جلد ۲ صفحہ ۳۳۲ میں لکھتے ہیں :

وَالرِّوَايَةُ عَنِ الثَّلَاثَةِ فی ندرۃ جِدًّا

"ان تینوں سے بہت ہی تھوڑی روایت ہے۔"

سب سے زیادہ تفسیری جملے صحابہ میں سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں،

کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ کم سن صحابہ میں سے تھے اور آپ کی وفات ۶۸ھ میں ہوئی ہے۔ اور اس عرصہ میں کثرت سے عجمی لوگ مسلمان ہو چکے تھے اور بوجہ عجمی ہونے کے ان کو ایسے تفسیری جملوں اور الفاظ کی زیادہ ضرورت تھی' لیکن افسوس ہے کہ بہت سے جھوٹے راویوں نے اپنی طرف سے تفسیری فقرے اور جملے بنا کر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کر دیئے ہیں۔

صحابہ کے بعد تابعین نے قرآن شریف پڑھانا شروع کیا اور اس تعلیم کے دو مرکز ہو گئے' ایک مکہ' دوسرا کوفہ۔ مکہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے شاگرد مثلاً مجاہد اور سعید بن جبیر' عکرمہ' طاؤس بن کیسان اور عطاء بن ابی رباح قرآن کی تعلیم خصوصیت سے دیتے تھے اور کوفہ میں حضرت ابن مسعود کے شاگرد علقمہ بن قیس' اسود بن یزید' ابراہیم نخعی اور شعبی وغیرہ۔ حضرات تابعین کے زمانہ میں بھی قرآن مجید کے مطالب سمجھانے والے تفسیری الفاظ اور فقروں کو لکھوانے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی بلکہ قرآن کی تعلیم کے وقت وہ استعمال کیے جاتے تھے۔

حضرات تابعین کے بعد ان کے شاگردوں نے صحابہ اور تابعین کے ان تفسیری الفاظ اور فقروں کو لکھنا شروع کر دیا۔ جن حضرات نے خصوصیت سے یہ الفاظ اور فقرے جمع کیے ان کے نام یہ ہیں : سفیان بن عیینہ' وکیع بن الجراح' شعبہ' یزید بن ہارون' عبدالرزاق' آدم بن ابی یاس' اسحٰق بن راہویہ' روح بن عبادہ' عبد بن حمید' ابی بکر بن ابی شیبہ۔

اگر یہ سلسلہ اسی طرح قائم رہتا تو نہایت مفید ہوتا اور آج قرآن کی اصلی تعلیم صحیح رنگ میں جاری رہتی۔ لیکن افسوس ہے کہ اس طبقہ کے بعد ایسے حضرات پیدا ہوئے جنہوں نے ایسی شرحوں میں قرآن مجید کے صحیح مطالب ہی کو پوری طرح پیش نظر نہیں رکھا بلکہ بہت سی غیر صحیح باتیں بھی اپنی شرحوں میں درج کر دیں اور مختلف تفسیروں کی کتابیں ایسی لکھنی شروع کیں جن میں قرآن کے کچھ حصے کے صحیح اور کچھ حصے کے غیر صحیح مطالب موجود تھے۔

ان کے بارے میں صاحب کشف الظنون جلد ۲ صفحہ ۳۳۶ میں تحریر فرماتے ہیں :

ثم الّف فی التفسیر طائفة من المتاخرین' فاختصروا الاسانید ونقلوا عن الاقوال' تبراً فدخل منهن الدخیل' والتبس الصحیح بالعلیل' ثم صار کل من منح له قول یورده و من خطر بباله شی ء یعتمده ثم ینقل ذلک خلف عن السلف ظانا ان له اصلا غیر ملتفت ؟ای تحریر ماورد عن سلف الصالح

"اس کے بعد متاخرین میں ایک جماعت نے تفسیریں تالیف کیں اور اسناد کو مختصر کر دیا اور بہت سے اقوال نقل کر دیئے۔ یہاں سے زائد باتیں داخل ہونے لگ گئیں اور صحیح اور ضعیف آپس میں ملتبس ہو گئے۔ اس کے بعد جس کسی کو جو بات معلوم ہوئی وہی درج کر دی اور جو کچھ اس کے خیال میں آیا اسی پر اعتماد کیا۔ اس کے بعد ہر پچھلا طبقہ اپنے متقدمین سے نقل کرنے لگا' اسی خیال سے کہ ضرور کوئی نہ کوئی اس کی اصلیت ہو گی۔ اور انہوں نے اس کی تحقیق نہیں کی کہ سلف صالحین سے اس میں کیا منقول ہے"۔

ان تفسیروں میں کلام مجید کے الفاظ کے جس حد تک غیر صحیح معنی درج ہونے لگے اس کا اندازہ سیوطیؒ کے ان الفاظ سے ہو سکتا ہے۔

رایتُ فی تفسیر قوله تعالٰی غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّالِّیْنَ نحو عشرة اقوال مع ان الوارد عن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم و جمیع الصحابة و التابعین لیس غیر الیهود و النصاریٰ

"میں نے غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کی تفسیر میں دس مختلف قول دیکھے ہیں' حالانکہ رسول اللہ ﷺ اور سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین سے یہود و نصاریٰ کے سوا اور کچھ مروی نہیں ہے۔"

مفسرین کے اس طبقہ کے بعد ایک دوسرا طبقہ پیدا ہوا جس نے اپنی کتابوں میں قرآن مجید کے غیر صحیح مطالب ہی پر اکتفا نہیں کیا' بلکہ انہوں نے قرآن مجید کے مطالب کو صرف اس فن کے متعلق محصور کرنے کی کوشش شروع کر دی جس فن کو وہ اچھی طرح جانتے تھے۔ مثلاً جس کو نحو اچھی آتی تھی اس نے اپنی تفسیر میں کلام مجید کے صحیح مطالب کو پیش کرنے کی جگہ ساری قوت قرآن کی آیتوں کے نحوی نکات پر بحث کرنے میں اور نحو کے

مسائل نقل کرنے میں صرف کردی۔ اور اس طرح اس کا پڑھنے والا صرف یہ سمجھ سکتا ہے کہ گویا قرآن مجید صرف علم نحو ہی کی تعلیم کی غرض سے نازل ہوا ہے۔ مثلاً اس قسم کی ایک تفسیر میں بجائے اس کے کہ بسم اللہ کا صاف مطلب ظاہر کردیا جاتا' اس کی تین ہزار تک ترکیبیں درج کردی ہیں۔ اس بارے میں بجائے اس کے کہ خود کچھ کہا جائے' بہتر معلوم ہوتا ہے کہ کشف الظنون کی عبارت ہی نقل کردی جائے۔ یہ عبارت اس کو واضح کردے گی۔

ثم صنف بعد ذلک قوم برعوا فی شیء من العلوم و ملأ کتابه بما غلب علی طبعة من الفن و اقتصر فیه علی ما تمهر هو فیه کان القرآن اُنزل لا جل هذا العلم لا غیر مع ان فیه تبیان کل شیء فالنحوی تراه لیس له بهم الاّ الاعراب و تکثیر الاوجه المحتملة فیه و ان کانت بعیدة و ینقل قواعد النحو و مسائله و فروعه و خلافیاته کالزجاج والواحدی فی البسیط و ابو حیان فی البحر و النهر و الاخباری لیس له شغل الا القصص و استیفاء ها والاخبار عمن سلف سواء کان صحیحة او باطلة و منهم الثعلبی و الفقیه یکاد یسرد فیه الفقه جمیعاً و ربما استطرد الی اقامة ادلة الفروع الفقهیة التی لا تعلق لها بالایت اصلا و الجواب عن ادلة المخالفین کالقرطبی و صاحب العلوم العقلیة خصوصا الامام فخر الدین قد ملأ تفسیره باقوال الحکماء و الفلاسفة و خرج من شیء الی شیء حتی یقضی الناظر العجب۔ قال ابو حیان فی البحر جمع الامام الرازی فی تفسیره اشیاء کثیرة طویلة لاحاجة بها فی علم التفسیر' و لذلک قال بعض العلماء فیه کل الا التفسیر' المبتدع لیس له قصة الا تحریف الایات و تسویتها علی مذهبه الفاسد بحیث انه لو لاح له شاذة من بعید اقتنصها او وجد

موضعا له فيه ادنٰى مجال سارع اليه والملحد فلا تسئل عن كفره و الحاده فى آيات اللّٰه وافترائه على اللّٰه ما لم يقله' ومن ذلک القبيل الذين يتكلمون فى القرآن بلا سند ولا نقل عن السلف ولا رعاية الاصول الشرعية القواعد العربية كتفسير محمود بن حمزة الكرمانى فى مجلدين سماه العجائب و الغرائب ضمنه اقوال هى عجائب عند العوام و غرائب عما عهد عن السلف بل هى اقوال المنكر' لا يحلّ الاعتقاد عليها ولا ذكرها الا للتحذير من ذلک' وسُئل البقلينى عمن فسر بهذا مَافتٰى بانه ملحد و اما كلام الصوفية فى القرآن فليس بتفسير' قال ابن الصلاح فى فتاواه : وجدتُ عن الامام الواحدى انه قال صنف السلمى حقائق التفسير ان كان قد اعتقد ان ذلک تفسير فقد كفر قال النسفى فى عقائده النصوص تحمل على ظواهرها و العدول منها الى معان يدعيها اهل الباطن الحاد (کشف الظنون' جلد ۲' ص ۳۳۷)

"اس کے بعد ایسے لوگوں نے تصنیف کی جنہوں نے کسی ایک علم میں فوقیت حاصل کی اور اپنی کتاب کو اسی فن سے بھر دیا جو اُن کی طبیعت میں غالب تھا' اور محض اسی پر اکتفا کیا جس میں کہ انہوں نے مہارت حاصل کی تھی۔ گویا کہ قرآن شریف محض اُسی علم کے لئے نازل ہوا تھا۔ باوجودیکہ اس میں ہر چیز کا بیان موجود ہے نحوی کو فقط اعراب اور وجوہ ترکیب ہی مد نظر رہتے ہیں' اگرچہ وہ بعید ہی کیوں نہ ہوں اور وہ نحو کے قواعد و مسائل اور فروع و خلافیات ہی کو داخل کرے گا اور جس طرح کہ زجاج اور واحدی نے بسیط اور ابو حیان نے بحر اور نہر میں کیا ہے۔ اور اخباری کو محض قصے اور ان کو تکمیل ہی مد نظر رہتی ہے' خواہ وہ قصے صحیح ہوں یا غلط۔ ثعلبی بھی ایسے حضرات میں سے ہیں اور فقیہہ کا یہی مطلب ہوتا ہے کہ ساری فقہ داخل کر دے۔ بسا اوقات فقیہہ فروعاتِ فقہ کی دلیلیں لے آتا ہے حالانکہ ان کو نفس آیات سے کوئی تعلق نہیں ہوتا' اور پھر اُن دلیلوں

کے مخالفین کے جوابات بھی نقل کر دیتا ہے۔ ایسے حضرات میں قرطبی ہیں۔ اور صاحب علومِ عقلیہ خصوصاً امام رازیؒ جنہوں نے اپنی تفسیر کو حکما اور فلاسفروں کے اقوال سے بھر دیا ہے اور کہاں سے کہاں تک چلے جاتے ہیں جس سے دیکھنے والا متعجب ہوتا ہے۔ ابو حیان نے بحر میں کہا ہے کہ امام رازیؒ نے اپنی تفسیر میں بہت سی چیزیں ایسی درج کی ہیں جن کی علم تفسیر میں کچھ ضرورت نہیں تھی۔ اس لئے بعض علماء نے فرمایا ہے کہ امام رازی کی تفسیر میں سب کچھ ہے مگر تفسیر نہیں ہے۔ اور ایک بدعتی کی غرض محض آیتوں کی تحریف ہی ہوتی ہے' تاکہ ان کو اپنے فاسد مذہب پر منطبق کرے' یہاں تک کہ اگر اسے کوئی دور کی بات بھی سوجھتی ہے تو اسے لے لیتا ہے' یا اگر کوئی ایسا موقع پاتا ہے جس میں اس کی کوئی بات کچھ بھی بن سکے تو فوراً بنا لیتا ہے۔ اور ملحد کا تو ذکر ہی کیا ہے کہ وہ خدائے تعالیٰ کی نسبت جھوٹ بناتا ہے جو خدا نے مطلقاً نہیں فرمایا۔ اور جو قرآن شریف میں بلاسند یا سلف صالحین کے اقوال کے ماسوا اور قواعد عربیہ اور اصولِ شرعیہ کی رعایت کے بغیر کچھ کہتے ہیں' وہ سب اسی قسم میں سے ہیں۔ محمود بن حمزہ کرمانی کی تفسیر دو جلدوں میں اسی قسم کی ہے جس کا نام اس نے العجائب والغرائب رکھا ہے۔ اس میں بہت سے قول نقل کئے ہیں جو عوام کے نزدیک عجیب ہیں اور سلف کے طریقہ سے بہت دور ہیں' بلکہ وہ ایسے ہیں کہ ان پر اعتقاد ہی ناجائز ہے اور ان کا ذکر کرنا سوائے تحذیر کے ناجائز ہے۔ بلقینی سے ایسے شخصوں کی نسبت فتویٰ پوچھا گیا' انہوں نے کہا کہ ایسے مفسر ملحد ہیں۔ اور قرآن شریف کے بارے میں صوفیہ کا کلام تفسیر نہیں ہے۔ ابن الصلاح نے اپنے فتاویٰ میں ذکر کیا ہے کہ میں نے امام واحدی سے معلوم کیا ہے' انہوں نے فرمایا کہ سلمی نے حقائق تفسیر تصنیف کی ہے' جو شخص یہ خیال کرے کہ یہ تفسیر ہے تو وہ کافر ہے۔ نسفی نے اپنے عقائد میں کہا ہے کہ نصوص کو اپنے ظواہر پر محمول کیا جائے گا۔ اور ان سے اہل باطن کے معانی کی طرف پھرنا الحاد ہے۔"

ہم میں یہ رنگ چھٹی صدی ہجری میں آ گیا۔ اس کے بعد یہ حالت ہو گئی کہ قرآن مجید کا تو ذکر ہی کیا' خود ان تفسیروں کی شرحیں اور حاشیئے لکھے جانے شروع ہو گئے۔ صرف تفسیر بیضاوی کا ملا عوض نے تیس جلدوں میں حاشیہ لکھا ہے۔

(ایک نہایت اہم مسئلہ کو حل کرنے کے لئے یہ اقتباسات نقل کیئے گئے ہیں، ورنہ حضرات علمائے کرام نے اپنے مذہب کی خدمت جس خلوص اور جانفشانی سے کی ہے اس کی جزا صرف اللہ تعالیٰ ہی مرحمت فرماسکتا ہے۔)

اب یہ واضح ہو گیا ہو گا کہ اصل قرآن پر غور و فکر کرنا اور چیز ہے اور تفاسیر پر غور و فکر کرنا اور چیز ہے۔ اصل قرآن کو چھوڑنے سے اور اس کو مقررہ طریقہ سے نہ پڑھنے کی وجہ سے ہم قرآن مجید کی صحیح تعلیم سے محروم ہوتے جاتے ہیں اور اس کے نتائج وہ ہیں جو ہم دیکھ رہے ہیں۔ خود قرآن مجید میں جو طریقے قرآن کی تعلیم سے فائدہ اٹھانے کے درج ہیں ان کو چھوڑنے کی وجہ سے اعلیٰ تعلیم سے جس طرح ہم دُور ہوتے جاتے ہیں اس کی تحقیق بھی چونکہ ضروری ہے اس لئے اب اس مسئلہ کو واضح کیا جاتا ہے۔

قرآن حکیم کی اصطلاحات کے اصلی اور موجودہ مفہوم میں فرق

جب سے ہم قرآن کی اصلی تعلیم سے دُور ہوتے گئے ہیں ہم برابر تنزل کر رہے ہیں۔ اور جیسی قوم کی حالت ہوتی ہے ویسے ہی اس کے اخلاق ہوتے ہیں۔ اگر قوم زندہ ہوتی ہے تو اس کے افراد میں جرأت، ہمت، استقلال، ترقی کی امنگ، ایثار، قربانی وغیرہ عمدہ اخلاق ہوتے ہیں، اور اگر قوم میں مردنی ہوتی ہے تو اس کے افراد پست ہمت، سست بزدل، ہاتھ پیر توڑنے والے ہوتے ہیں۔ قومی تنزل کا مُردہ اقوام میں اس قدر اثر ہوتا ہے کہ عمدہ الفاظ کے مفہوم بھی بگڑ کر خراب ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ جب مسلمانوں میں کچھ جان تھی تو اُن میں وعدہ اور قول و قرار کا دوسرا مفہوم تھا، اور جب اِن پر مُردنی چھاگئی تو انہی الفاظ کا دوسرا مفہوم ہو گیا۔ پہلے مشہور تھا "قول مرداں جان دارد"۔ پھر یہ حالت ہوئی ؎

وعدہ آساں ہے ولے اس کی وفا مشکل ہے!

پھر اس کے بعد یہ حالت ہو گئی ؎

وہ وعدہ ہی کیا جو وفا ہو گیا!

اسی طرح جب سے ہم نے قرآن مجید کو چھوڑ دیا ہے اور اس وجہ سے ہماری حالت خراب ہو گئی تو خود کلامِ مجید کے مفہوم بدل گئے۔ مثال کے طور پر مَیں "توکّل" اور

"صبر" کو پیش کرتا ہوں۔ آج کل ہمارے ہاں توکل کے معنی ہیں ہاتھ پیر توڑ کر بیٹھ جانا اور کچھ کام نہ کرنا۔ اس کو کہتے ہیں توکل۔ اس کے لئے ایسے قصے مشہور ہیں کہ ایک صاحب نے اس طرح توکل کیا کہ ہاتھ پیر توڑ کر بیٹھ رہے اور خدا سے کہا کہ میں خود کھانا نہ کھاؤں گا جب تک خود بخود کھانا میرے منہ میں نہ آجائے گا۔ اس طرح وہ کچھ عرصہ تک بیٹھے رہے۔ اس کے بعد کھانے کا ایک خوان ان کے سامنے موجود ہو گیا' وہ سمجھے کہ بس کام ہو چکا اور اپنے ہاتھ سے کھانے لگے' اتنے میں آواز آئی تو جلدی کر گیا' اگر کچھ دیر اور منتظر رہتا تو خود بخود تیرے منہ میں کھانا پہنچ جاتا۔ اور چونکہ قرآن مجید میں توکّل کی تعریف ہے اس لئے نکمے لوگوں کی تعریف کی جاتی ہے کہ فلاں صاحب تو کچھ کام نہیں کرتے' گھر سے باہر نہیں نکلتے' وہ بڑے متوکّل ہیں۔ حالانکہ قرآن مجید میں توکّل کا مفہوم ہے نہایت مشکل حالت میں پوری ہمت سے کام کرنا اور نتیجہ کی طرف سے خائف ہو کر کام نہ چھوڑنا' بلکہ نتیجہ کے بارے میں خدائے تعالیٰ سے کامیابی کا بھروسہ رکھنا۔ چنانچہ مندرجہ ذیل آیات سے یہ مفہوم صاف طور سے ظاہر ہے۔ سورۂ مائدہ میں ہے :

﴿ قَالُوْا يٰمُوْسٰى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ ۖ وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دَاخِلُوْنَ ۝ قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ ﴾

(المائدة : ۲۲'۲۳)

"وہ لوگ کہنے لگے کہ اے موسیٰ! اس ملک میں تو بڑے زبردست لوگ رہتے ہیں' اور جب تک وہ وہاں سے نہ نکل جائیں ہم تو اس ملک میں قدم رکھتے نہیں۔ ہاں وہ لوگ اس میں سے نکل جائیں تو ہم ضرور جا داخل ہوں گے۔ اللہ کا ڈر ماننے والوں میں سے دو آدمی تھے کہ ان پر اللہ نے اپنی خاص مہربانی کی' وہ بول اٹھے کہ ان پر چڑھائی کر کے دروازے میں گھس پڑو' اور جب تم دروازوں میں گھس پڑے تو بلاشبہ تمہاری فتح ہے اور تم ایمان رکھتے ہو تو اللہ پر توکل کرو۔"

سورۂ یونس میں ہے :

﴿ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ نُوْحٍ ۘ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ

مَقَامِیْ وَتَذْكِيْرِیْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوْٓا اِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُوْنِ۝﴾ (یونس : ۷۱)

"اور اے پیغمبر! لوگوں کو نوح کا حال پڑھ کر سناؤ کہ جب انہوں نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا: بھائیو! اگر میرا رہنا اور خدا کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سمجھانا تم پر گراں گزرتا ہے تو میں اللہ پر توکل کرتا ہوں۔ پس تم اور تمہارے شریک سب مل کر اپنی ایک بات ٹھہرالو، پھر تمہاری وہ بات تم میں کسی پر مخفی نہ رہے، پھر جو کچھ تمہیں کرنا ہے میرے ساتھ کر چکو اور مجھے مہلت نہ دو۔"

حضرت نوح علیہ السلام نے کام نہیں چھوڑا۔ اگر کام چھوڑ کر بیٹھ جاتے تو اس مقابلہ کی ضرورت نہ تھی۔ کفار یہی چاہتے تھے کہ کام نہ کرو۔

صبر: صبر کے معنی آج کل فقط یہ لئے جاتے ہیں کہ اگر کسی نہ کسی وجہ سے کوئی مصیبت آپڑے تو غم کا اظہار نہ کریں۔ نیز یہ کہ ذلتیں برداشت کریں اور چپ بیٹھے رہیں، پٹتے جائیں اور اُف نہ کریں۔ ایسے بے حمیتوں کی تعریف کی جاتی ہے اور سمجھا جاتا ہے کہ یہ قرآن شریف پر عامل ہیں، اور قرآن میں صابروں کی تعریف ہے، لہٰذا ایسے اصحاب کی بھی تعریف اور وقعت ہونی چاہئے۔ حالانکہ قرآن مجید میں صبر کا مفہوم ہے صحیح اصول پر کام کرنے میں جو دقتیں پیش آئیں اُن کا برداشت کرنا، اور کام کو جاری رکھنا، اور نبھانا اور دقتوں سے گھبرا کر کام نہ چھوڑنا۔ چنانچہ یہ مفہوم مندرجہ ذیل آیات سے واضح ہو جائے گا:

﴿فَلَمَّا جَاوَزَهٗ هُوَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ قَالُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ۝ وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالُوْا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ۝ فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ . . . .﴾ (البقرۃ: ۲۴۹-۲۵۱)

"پھر جب طالوت اور ایمان والے جو اس کے ساتھ تھے نہر کے پار ہو گئے تو جن

لوگوں نے طالوت کی نافرمانی کی تھی لگے کہنے کہ ہم میں تو جالوت اور اس کے لشکروں کے مقابلہ کرنے کا دم ہی نہیں۔ اس پر وہ لوگ جن کو یقین تھا کہ ان کو خدا کے حضور حاضر ہونا ہے' بول اٹھے کہ اکثر ایسا ہوا ہے کہ اللہ کے حکم سے تھوڑی جماعت بڑی جماعت پر غالب آگئی ہے' اور اللہ صبر کرنے والوں کا ساتھی ہے۔ اور جب وہ جالوت اور ان کی فوجوں کے مقابلے میں آئے تو دعا کی کہ اے ہمارے پروردگار! ہم پر صبر انڈیل دے' اور معرکۂ جنگ میں ہمارے پاؤں جمائے رکھ اور کافروں کی جماعت پر ہم کو فتح دے۔ پھر اللہ کے حکم سے اُن لوگوں نے دشمنوں کو بھگا دیا۔"

﴿ وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ۗ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ○ وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ○ ﴾

(آل عمران : ۱۴۷)

"اور بہت سے پیغمبر ہو گزرے ہیں جن کے ساتھ ہو کر بہت سے اللہ والے لوگ دشمنوں سے لڑے' تو جو مصیبت ان کو اللہ کے راستہ میں پہنچی اس کی وجہ سے نہ تو انھوں نے ہمت ہار دی' اور نہ بودا پن کیا اور نہ دشمنوں کے آگے عاجزی کا اظہار کیا' اور اللہ صابروں کو دوست رکھتا ہے۔ اور رسوائے اس کے ان کے منہ سے ایک بات بھی تو نہیں نکلی کہ لگے دعائیں مانگنے کہ اے پروردگار ہمارے گناہ معاف کر' اور ہمارے کاموں میں جو ہم سے زیادتیاں ہو گئی ہیں ان سے درگزر فرما' اور دشمنوں کے مقابلے میں ہمارے پاؤں جمائے رکھ' اور کافروں کے گروہ پر ہم کو فتح دے!"

کلام مجید میں صابروں سے توقع کی جاتی ہے کہ کم سے کم اپنے سے دوگنی قوت پر وہ غالب آجائیں گے۔

﴿ فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ○ ﴾ (الانفال : ۶۶)

"تو اگر تم میں سے سو صابر ہوں گے تو وہ دو سو پر غالب رہیں گے' اور اگر تم میں سے ایسے ایک ہزار ہوں گے تو وہ اللہ کے حکم سے دو ہزار کافروں پر غالب رہیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ صابروں کے ساتھ ہے۔"

اصل قرآن پیش نظر نہ رہنے سے' اور اس سے صحیح طریقے سے مستفید نہ ہونے سے اور اس کی جگہ مختلف لوگوں کی لکھی ہوئی شرحوں کو پیش نظر رکھے جانے سے ایک تو یہ نقصان ہوا کہ الفاظ کے غلط مفہوم عام طور سے شائع ہو گئے' جیسا کہ ظاہر کیا گیا ہے۔ دوسرا نقصان یہ ہوا کہ کلام مجید کی تعلیم کے چند ضروری حصے نظر انداز ہو گئے۔ جب اصل کتاب تو پیش نظر نہیں اور بجائے اس کے مختلف لوگوں کی مصنفہ کتابیں پیش نظر ہوں تو لازمی ہے کہ تعلیم اپنے اصلی صحیح رنگ میں نہ رہے اور اس کا ایک حصہ ضائع ہو جائے۔ اس کے متعلق چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔ مثلاً دنیاوی زندگی کو کامیاب اور قوی بنانے کے لئے وسائل کو اختیار کرنے کے بارے میں قرآن مجید میں جو کچھ تعلیم ہے اس کی طرف سے بالکل غفلت کی جاتی ہے اور اس طرف بالکل توجہ نہیں کی جاتی۔ حالانکہ دشمنوں سے محفوظ رہنے کے لئے اور اپنی حالت کامیاب اور قوی بنانے کے لئے کامل تیاری کرنا اور تمام امکانی قوتوں سے کام لینا اسلامی فرائض میں داخل ہے۔ اور اس پر قرآن مجید میں بہت زور دیا گیا ہے۔ فرمایا :

﴿ وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ ﴾ (الانفال : ۶۰)

"اور تیاری کرو ان کے واسطے جو کچھ تم کر سکو قوت سے۔"

بلکہ جو لوگ مسلمانوں کی ترقی میں اور کامیاب اور مضبوط حالت بنانے میں مطلق توجہ نہیں کرتے اور تمام اہم کام چھوڑ کر اپنا وقت نوافل پڑھنے میں ہی صرف کرتے ہیں اور اپنی حالت راہبوں کی سی بنا لیتے ہیں کہ ان کو دنیا کے معاملات سے تعلق نہیں ہوتا' ایسے حضرات کو بہترین نمونہ اسلام سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ قرآن مجید کی تو یہ تعلیم ہے کہ جو لوگ مسلمانوں کی حالت محفوظ رکھنے اور قوی بنانے میں موقع پر ایک دفعہ بھی تساہل کر جائیں تو خواہ وہ کیسے ہی کیوں نہ ہوں اُن کو مسلمان اپنی جماعت سے خارج کر دیں جب تک وہ اپنے اس تساہل سے باز نہ آ جائیں۔ خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے تین اصحاب سے ایک دفعہ ایسے موقع پر تساہل ہو گیا تھا (ان صحابہ کے نام یہ ہیں : کعب بن مالک' ہلال بن

اُمیّہ' مرارہ بن الربیع رضی اللہ عنہم) تو تمام مسلمانوں نے اپنی جماعت سے اُن کو علیحدہ کر دیا تھا اور ان سے تمام تعلقات منقطع کر دیے تھے' یہاں تک کہ گفتگو بھی ترک کر دی گئی تھی۔ جب وہ انتہائی پریشانی اٹھا چکے اور اللہ تعالیٰ نے اُن کی توبہ قبول فرمائی' اس کے بعد مسلمانوں نے ان سے تعلقات دوبارہ وابستہ کئے۔ ان کا ذکر سورۂ توبہ میں اس طرح ہے :

﴿ وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ۭ حَتّٰٓي اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْٓا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ ۭ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ؀ ﴾

(التوبۃ : ۱۱۸)

"اور ان تینوں شخصوں پر جو پیچھے رکھے گئے تھے' یہاں تک کہ جب زمین باوجود فراخی کے ان پر تنگی کرنے لگی اور وہ اپنی جان سے تنگ آ گئے اور سمجھ گئے کہ اللہ کی گرفت سے اس کے سوا اور کہیں پناہ نہیں' پھر اللہ نے ان کی توبہ قبول کر لی' تاکہ (قبولِ توبہ کے شکریہ میں آئندہ کے لئے بھی) توبہ کئے رہیں۔ بے شک اللہ بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔"

نیز صحیح احادیث میں بھی صاف طور سے درج ہے کہ مسلمانوں کو محفوظ بنانے کی کوشش کرنا نوافل' نماز اور روزے سے بہت بہتر ہے۔

تفسیر ابن کثیر' جلد ۲ صفحہ ۳۷۳ میں درج ہے کہ ۱۷۰ ہجری میں عبد اللہ بن مبارک نے جو مسلمانوں کو مضبوط اور قوی بنانے کی کوشش میں مصروف تھے' حسب ذیل شعر فضیل بن عیاض کو لکھ کر روانہ کیا تھا۔ فضیل بن عیاض صوفیہ کے امام ہیں' اور اس وقت مسجد حرام میں عبادات اور روحانی ریاضتوں میں مصروف تھے ۔

یا عابدَ الحرمین لو ابصرتَنا

لعلمتَ انک فی العبادہ تلعب

"اے حرمین کے عابد! اگر تُو ہماری حالت دیکھے تو جان لے کہ تُو عبادت میں کھیل رہا ہے" (یعنی موجودہ حالات کے لحاظ سے یہ ریاضتیں لہو و لعب کا درجہ رکھتی ہیں)"۔

جس وقت حضرت فضیل بن عیاض نے یہ شعر پڑھا تو رو پڑے اور فرمایا کہ عبد اللہ

بن مبارک نے صحیح لکھا ہے : فلماقرأہ ذرفت عیناہ و قال صدق ابو عبدالرحمٰن۔

دوسری مثال ہے کہ معاش حاصل کرنا' اس کے لئے کوشش کرنا اور اس کے لئے وسائل حاصل کرنا دنیاداری (یعنی بزعمِ خود دین سے علیحدگی) تصور کیا جاتا ہے۔ حالانکہ خود قرآن کی تعلیم ہے :

﴿ فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ﴾

(الجمعة : ۱۰)

"پھر جب نماز ہو چکے تو زمین میں اپنی اپنی راہ لو اور خدا کے فضل (یعنی معاش) کی جستجو میں لگ جاؤ۔"

چنانچہ اکثر صحابہ اور ائمہ سلف کسب معاش کے لئے تجارت وغیرہ وسائل میں مصروف رہتے تھے۔ بخلاف ان کے آج کل ان وسائل میں مصروف ہونا خلافِ تقدس و کسرشان سمجھا جاتا ہے۔ یہ بات قرآن مجید کی تعلیم سے بُعد کا نتیجہ ہے۔

تیسری مثال۔ عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ مسلمان دنیا میں ذلیل اور مسکین زندگی بسر کرنے کے لئے پیدا ہوئے ہیں' حالانکہ قرآن مجید کی تعلیم کے یہ بالکل خلاف ہے اور قرآن مجید میں قومی ذلت اور مسکنت کو خدا کے غضب اور عذاب کی نشانی بتایا گیا ہے' جو حسب ذیل آیات سے ظاہر ہے۔

سورۂ زمر میں ہے :

﴿ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتٰهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ○ فَاَذَاقَهُمُ اللّٰهُ الْخِزْيَ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ﴾ (الزمر : ۲۵'۲۶)

"جو لوگ ان سے پہلے ہو گزرے ہیں انہوں نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا تو اُن کو عذاب نے ایسی طرف سے آلیا کہ انہیں اس کی خبر بھی نہ تھی۔ تو اُن کو اس دنیا کی زندگی میں اللہ نے ذلت کا مزہ چکھا دیا۔"

سورۂ بقرہ میں یہود کی خرابیوں کے ذکر کے بعد ان کو عذاب سے اس طرح ڈرایا گیا ہے :

﴿ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ۗ ﴾ (البقرة : ۸۵)

"تو کیا تم کتابِ الٰہی کی بعض باتوں کو مانتے ہو اور بعض کو نہیں مانتے۔ تو جو لوگ تم میں سے ایسا کریں گے اِس کے سوا اُن کا اور کیا بدلہ ہو سکتا ہے کہ دنیا کی زندگی میں ان کی ذلت ہو اور آخر کار قیامت کے دن بڑے ہی سخت عذاب کی طرف لوٹائے جائیں۔" (یعنی دنیا کی ذلت بدعملیوں کی سزا ہے)

دوسرے موقع پر سورۂ آل عمران میں فرمایا گیا ہے :

﴿ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ أَيْنَ مَا ثُقِفُوٓا إِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللَّهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُو بِغَضَبٍ مِّنَ اللَّهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ﴾

(آل عمران : ۱۱۲)

"جہاں دیکھو ذلت ان کے سر پر سوار ہے' کہیں اللہ کے ذمہ یا انسانوں کا ذمہ میں پناہ مل گئی تو یہ اور بات ہے۔ اور خدا کے غضب میں گرفتار ہیں' اور محتاجی ہے کہ الگ ان کے پیچھے پڑ گئی ہے"۔ (یعنی قومی مسکنت خدا کے غضب کی نشانی ہے)

بخلاف ان کے جن لوگوں پر اللہ تعالیٰ اپنا فضل و کرم فرماتا ہے اُن کو برتری اور سلطنت عطا فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :

﴿ وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ○ ﴾

(آل عمران : ۱۳۹)

"نہ ہمت ہارو نہ غم کرو اور تم ہی غالب ہو گے اگر تم مؤمن ہو"۔

﴿ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِن بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ ○ ﴾ (الانبیاء : ۱۰۵)

"اور ہم زبور میں پند و نصیحت کے بعد یہ لکھ چکے ہیں کہ ہمارے نیک بندے زمین کی سلطنت کے وارث ہوں گے"۔

﴿ وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ.... ﴾ (النور : ۵۵)

"تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل بھی کرتے ہیں ان سے اللہ کا وعدہ ہے کہ ان کو ملک کی خلافت (یعنی سلطنت) ضرور عطا فرمائے گا..."

چوتھی مثال۔ عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ جنت کے کامل استحقاق کے لئے نماز پڑھنا'

روزے رکھنا' حج کرنا اور وظائف پڑھنا کافی ہے۔ اگر پورا مذہبی اور جنتی مسلمان ہونے کے لئے صرف یہی شرائط کافی سمجھی جائیں تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ اشاعت و حفاظت اسلام اور مسلمانوں کی فلاح و ترقی کے لئے لوگ اپنے آپ کو محنت و مشقت میں مبتلا کریں اور آرام و راحت کی زندگی نہ بسر کریں۔ جب ابتدائے عمر سے یہ ذہن نشین ہو چکا ہو کہ اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کے بغیر بھی کوئی شخص کامل مسلمان ہو سکتا ہے تو پھر قومی حیات کے لئے ایثار کرنے پر کیا چیز ہم کو آمادہ کر سکتی ہے؟

حالانکہ قرآن مجید میں صاف طور سے درج ہے کہ ہماری نجات کے لئے اس زندگی میں پوری اور ہر طرح کی کوشش کی ضرورت ہے۔ سورۂ بقرہ میں ارشاد ہوتا ہے :

﴿ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ؕ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ ﴾ (البقرة : ۲۱۴)

"کیا تم کو خیال ہے کہ جنت میں چلے جاؤ گے اور ابھی تک تم کو ان لوگوں کی سی حالت پیش نہیں آئی ہے جو تم سے پہلے ہو گزرے ہیں' کہ ان کو سختیاں اور تکلیفیں پہنچیں اور جھڑ جھڑائے بھی گئے' یہاں تک کہ پیغمبر اور ایمان والے جو ان کے ساتھ تھے' کہنے لگے کہ خدا کی مدد کب آئے گی؟ خبردار ہو اللہ کی مدد قریب ہے۔"

سورۂ عصر میں "حق" اور "صبر" کی وصیت کو سب پر لازمی قرار دیا گیا ہے اور ظاہر کیا گیا ہے کہ بغیر اس کے سب لوگ نقصان میں ہیں۔

﴿ وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝ ﴾

"زمانہ کی قسم! یقیناً انسان نقصان میں ہے' سوائے ان کے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے اور ایک دوسرے کو حق کی وصیت کرتے رہے اور صبر کی وصیت کرتے رہے۔"

امام رازیؒ اپنی تفسیر کبیر میں اس سورۃ کی تشریح فرماتے ہوئے صاف طور پر فرماتے ہیں :

فیھا وعید شدید و ذلک لانه تعالٰی حکم بالخسار علی جمیع الناس الّا مَن کان آتیا بھذه الاشیاء الاربعة و ھی الایمان و العمل الصالح و التواصی بالحق و التواصی بالصبر' و دلّ ذلک علی ان النجاة معلقة بجموع ھذه الامور وانه کما یلزم المکلف تحصیل مایخص نفسه فکذلک یلزمه فی غیره امور منھا الدعاء الی الدین و النصیحة و الامر بالمعروف و النھی عن المنکر' ثم کرّر التواصی لیتضمن الاوّلالدعاء الی اللّٰه والثانی الثبات علیهٖ' دلت الآیة علی ان الحق ثقیل و ان المحن تلازمه فکذلک قرن به التواصی

"اس میں وعید سخت ہے' اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے خسارہ کا حکم لگایا ہے تمام لوگوں پر' سوائے اس کے جو ان چار چیزوں کا انجام دینے والا ہے' اور وہ ایمان و عمل صالح اور تواصی بالحق اور تواصی بالصبر ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نجات اِن چاروں کے مجموعہ پر منحصر ہے۔ اور یہ کہ جس طرح ہر ایک مکلف شخص کو ان چیزوں کا حاصل کرنا ضروری ہے جو اس کے نفس کے لئے خاص ہیں اسی طرح وہ امور بھی اس کے لئے ضروری ہیں جو غیروں سے تعلق رکھتے ہیں۔ منجملہ ان کے مذہب کی طرف دعوت دینا اور خیر خواہی کرنا اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا۔ اور تواصی کو مکرر لائے ہیں' تاکہ پہلا لفظ دعوت الی اللہ پر دلالت کرے اور دوسرا لفظ اس پر ثابت قدم رہنے پر۔ یہ آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ حق ایک بھاری چیز ہے اور بہت سی تکلیفیں اس کے لئے لازم ہیں' اس لئے کہ تواصی بالصبر کا حکم دیا گیا ہے۔"

جو حدیث شریف ((بُنِیَ الْاِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ)) عام طور پر مشہور ہے' افسوس ہے کہ اس کے غلط معنی سمجھے جاتے ہیں۔ اس حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے' لیکن تمام اسلامی احکام کو ان پانچ امور پر حصر نہیں کر دیا گیا' بلکہ اسلام کی مثال ایک عمارت سے دی گئی ہے جس کی بنیاد ان پانچ احکام پر ہے۔ اور ظاہر ہے کہ کوئی عمارت بغیر بنیاد کے قائم نہیں ہو سکتی۔ اس لئے جب تک وہ پانچ چیزیں نہ ہوں گی

اسلامی عمارت قائم نہ ہو سکے گی' لیکن جس طرح ایک عمارت میں بنیاد کے علاوہ اور بھی چیزوں کی ضرورت ہے اسی طرح اسلامی احکام ان پانچ امور کے علاوہ اور بھی ہیں۔ ورنہ قرآن مجید میں سوائے ان احکام کے اور کسی کا ذکر نہ ہوتا۔

پیشتر بیان ہو چکا ہے کہ اصل قرآن چھوڑنے سے اور اس سے صحیح طریقے سے مستفید نہ ہونے سے ایک تو قرآن مجید کے الفاظ کے غلط مفہوم رائج ہو گئے ہیں اور دوسرے اب یہ واضح ہو گیا ہے کہ اس کی تعلیم کا ایک اہم حصہ ہم نے بھلا دیا ہے۔ حالانکہ کلام مجید میں بہت زور اس پر دیا گیا ہے کہ تعلیم کے کسی حصہ کو نظرانداز نہ کرو' بلکہ سب کو پیش نظر رکھو' ورنہ ذلت اور عذاب نازل ہو گا۔ بنی اسرائیل سے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

﴿ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ۭ ﴾ (البقرة : ۸۵)

"تو کیا تم کتاب الٰہی کی بعض باتوں کو مانتے ہو اور بعض کو نہیں مانتے۔ تو جو لوگ تم میں سے ایسا کریں تو اس کے سوا ان کا اور کیا بدلہ ہو سکتا ہے کہ دنیا کی زندگی میں ان کی رسوائی ہو اور آخر کار قیامت کے دن بڑے ہی سخت عذاب کی طرف لوٹائے جائیں۔"

قرآن حکیم میں پیغمبروں کے قصے اور ان کی حکمت

صحیح طریقہ تعلیم کو چھوڑنے سے تیسرا بڑا نقصان یہ ہوا کہ کلام مجید کی تعلیم پر پورا غور و فکر نہ کرنے سے کلام مجید کے بعض حصوں کو ہم محض چند حکایتوں اور تفریحی باتوں کا درجہ دیتے ہیں اور ان سے مستفید ہونے کا قصد ہی نہیں کرتے' اور اس طریقہ سے ہم کلام مجید کے ایک حصہ سے صحیح معنوں میں مستفید ہونے سے محروم ہو گئے ہیں۔ قرآن مجید میں جو قصص مذکور ہیں ان کو ہم صرف یہ درجے دیتے ہیں :

﴿ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ ﴾ (النمل : ۶۸)

"یہ اگلے لوگوں کی کہانیاں ہیں"۔

حالانکہ قرآن مجید میں اس حصہ کی تعلیم کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا ہے :

﴿ وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ۚ وَجَآءَكَ فِيْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ○ ﴾ (ھود : ۱۲۰)

"اور (اے پیغمبر! دوسرے) پیغمبروں کے جتنے قصے ہم تم سے بیان کرتے ہیں اس کے ذریعے سے ہم تمہارے دل کی ڈھارس بندھاتے ہیں۔ اور ان قصوں کے ضمن میں ایک تو جو حق بات تھی وہ تمہارے پاس پہنچی اور اس کے علاوہ ان میں مسلمانوں کے لئے نصیحت اور یاددہانی ہے"۔

﴿ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ○ ﴾ (الاعراف : ۱۷۶)

"ان سے قصے بیان کرو تاکہ یہ لوگ غور کریں"۔

﴿ يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ..... ﴾

(النساء : ۲۶)

"اللہ چاہتا ہے کہ (انبیاء و صلحاء) جو تم سے پہلے ہو گزرے ہیں' ان کے طریقے تم سے کھول کھول کر بیان کرے اور تم کو ان کے طریقوں پر چلائے"۔

قرآن مجید میں ان قصّوں کے درج ہونے کا مقصد یہ ہے کہ ہم ان واقعات سے فائدہ اٹھائیں اور اپنے لئے ان کو شمع ہدایت بنائیں' اور جو انبیاء اور صلحاء پہلے گزرے ہیں ان کے نقش قدم پر چل کر پوری کامیابی حاصل کریں۔ جبکہ اب ہم ان کو صرف کہانیاں سمجھتے ہیں اور کوئی فائدہ نہیں اٹھاتے۔ ان قصص میں ہمارے لئے ایسی تعلیم موجود ہے کہ اگر ہم اسے پیش نظر رکھیں اور اس پر عمل کریں تو دنیا کی بہترین قوم بن سکتے ہیں۔ چنانچہ قرونِ اولیٰ میں یہ بات ثابت ہو چکی ہے۔ نمونہ کے طور پر چند قصص کی تعلیم کا کوئی کوئی حصہ پیش کرتا ہوں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ

حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے کو ہم صرف ایک حسن و محبت کا واقعہ سمجھتے ہیں' حالانکہ قرآن مجید میں اس کو "احسن القصص" کہا گیا ہے۔ جس طرح ایک صاحب سے پورا شاہنامہ سنا چکنے کے بعد شاہنامے کے کسی عمدہ شعر پڑھنے کی خواہش کی گئی تھی تو انہوں نے یہ شعر پڑھا تھا۔

منیژہ منم وختِ افراسیاب
برہنہ تنم را نہ دید آفتاب

وہی ہماری حالت ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے میں ایک تو رسول کریم ﷺ کو آپ کے آئندہ واقعات کی خبر دی گئی ہے جو حضرت یوسف علیہ السلام کے مثل ہونے والے تھے کہ آپ کو آپ کے بھائی وطن سے علیحدہ کریں گے اور وطن سے باہر جانے کے بعد دوسری جگہ آپ کو کامیابی ہوگی۔ اور اس کے بعد آپ کے بھائی قریش آپ سے معافی چاہیں گے اور آپ ان کو معافی عطا فرمائیں گے وغیرہ وغیرہ۔ علاوہ اس کے اس قصے میں ان اخلاق کی تعلیم ہے جن سے ایک شخص خادم کی حیثیت سے ترقی کر کے حکومت کے درجے تک پہنچ سکتا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام بحیثیت ایک غلام کے مصر میں داخل ہوئے اور آپ کو عزیزِ مصر نے خرید لیا۔ یہ آپ کی پہلی حالت ہے۔ اس درجہ سے حکومت تک پہنچنے کے لئے خاص طور سے ان اخلاق کی ضرورت ہے : جذبات پر قدرت' امانت' صحیح اصول کی پابندی میں وقتیں برداشت کرنا' خواہ کچھ ہی حالت ہو' اپنا کام جاری رکھنا' پریشانیوں سے گھبرا کر کام نہ چھوڑنا۔ ان اخلاق کی تعلیم حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعات سے اچھی طرح مل سکتی ہے۔

زلیخا کے ساتھ جو واقعہ پیش آیا تھا اس میں اپنے جذبات پر قدرت رکھنے اور آقا کی امانت میں خیانت نہ کرنے کی اچھی نظیر ہے۔ جس وقت زلیخا نے حضرت یوسف علیہ السلام کو یہ دھمکی دی :

﴿ وَلَئِنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَآ اٰمُرُهٗ لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ ۝ ﴾

(یوسف : ۳۲)

"اور جس کام کے کرنے کو میں کہہ رہی ہوں اگر اس کو یہ نہیں کرے گا تو ضرور قید کیا جائے گا اور ضرور بے عزت ہوگا"۔

تو آپ علیہ السلام نے فرمایا :

﴿ قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ ۚ ﴾

"کہا کہ اے میرے پروردگار! جس حرکت کی طرف یہ مجھ کو بلا رہی ہے قید ہی

میں رہنا مجھ کو اس سے کہیں زیادہ پسند ہے"۔

یعنی اپنے صحیح اصول کے خلاف کرنے کے بجائے قید کی مشقتیں برداشت کرنا مجھے پسند ہے۔ جس وقت آپ قید خانہ میں محبوس کر دیئے گئے تو آپ نے وہیں قیدیوں کو تبلیغ کرنا شروع کر دیا۔ جیل خانہ میں آپ نے اس طرح تبلیغ شروع کی :

﴿ مَا كَانَ لَنَا اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ ۔ يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ○ .....اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِيَّاهُ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ..... ﴾

(یوسف : ۳۸-۴۰)

"ہم کو شایاں نہیں کہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک بنائیں.... اے یارانِ زنداں! بھلا دیکھو تو سہی کہ جدا جدا معبود اچھے یا ایک اللہ یگانہ و زبردست؟.... تمام جہانوں میں حکومت تو بس ایک اللہ کی ہے' اور اس نے حکم دیا ہے کہ صرف اسی کی پرستش کرو' یہی دین کا سیدھا راستہ ہے۔"

اپنے مقصد کو نہ چھوڑنے اور ہر حالت میں کام جاری رکھنے کے لئے' خواہ آزادی ہو یا نہ ہو' یہ نہایت عمدہ سبق ہے۔ غرض حضرت یوسف علیہ السلام ایک اجنبی ملک میں غلامی کے درجے سے ترقی کر کے اس درجہ تک پہنچے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا :

﴿ رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِیْ مِنَ الْمُلْكِ.... ﴾ (یوسف : ۱۰۱)

"اے میرے پروردگار! تُو نے مجھے حکومت میں سے حصہ دیا.."

قصہ طالوت و جالوت

طالوت اور جالوت کے قصے کو محض ایک جنگی واقعہ کی حیثیت دی جاتی ہے' حالانکہ اس میں کام کرنے کے لئے نہایت اعلیٰ درجہ کی ہدایتیں موجود ہیں۔ کام کرنے کے لئے امیر کی ضرورت' امیر کی صفات کہ علمی اور جسمانی دونوں قوتیں اس میں اعلیٰ درجے کی موجود ہونا ضروری ہیں' اور اس بات کی تردید کہ مال دار ہونا سرداری کے لئے شرط ہے۔ امیر کی صفات کے علاوہ اس کے ساتھ کام کرنے والوں کی صفات کا بھی ذکر ہے کہ یہ لوگ آزمائش کے بعد منتخب شدہ ہوں۔ اس کے بعد ظاہر کیا گیا ہے کہ کامیابی کے لئے زیادتی تعداد لازمی نہیں ہے' کیونکہ اگر تعداد کم ہو لیکن لوگ ثابت قدم ہوں اور

زیادتی تعداد لازمی نہیں ہے' کیونکہ اگر تعداد کم ہو لیکن لوگ ثابت قدم ہوں اور مشکلات برداشت کرنے والے ہوں اور جذبات پر قابو رکھتے ہوں تو کثیر جماعت پر غالب ہوں گے۔

یہ نہایت ضروری تعلیم حسب ذیل آیتوں کے ذریعے سے دی گئی ہے :

﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْۢ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰی ۘ اِذْ قَالُوْا لِنَبِیٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ ....

وَقَالَ لَهُمْ نَبِیُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا ؕ قَالُوْٓا اَنّٰى یَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَیْنَا وَنَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ یُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ؕ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىهُ عَلَیْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِی الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ؕ ....

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوْتُ بِالْجُنُوْدِ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِیْكُمْ بِنَهَرٍ ۚ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَیْسَ مِنِّیْ ۚ وَمَنْ لَّمْ یَطْعَمْهُ فَاِنَّهٗ مِنِّیْٓ اِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةًۢ بِیَدِهٖ ۚ فَشَرِبُوْا مِنْهُ اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْهُمْ ؕ فَلَمَّا جَاوَزَهٗ هُوَ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ قَالُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا الْیَوْمَ بِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ ؕ قَالَ الَّذِیْنَ یَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِیْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِیْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ○ وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالُوْا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَیْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِیْنَ ○ فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ .... ﴾ (البقرة : ۲۴۶-۲۵۱)

"اے پیغمبر! کیا تم نے بنی اسرائیل کے سرداروں کی حالت پر نظر نہیں کی کہ ایک زمانہ میں انہوں نے موسیٰ کے بعد اپنے وقت کے ایک پیغمبر سے درخواست کی تھی کہ ہمارے لئے ایک بادشاہ مقرر کر دیجئے کہ ہم اس کے سہارے سے اللہ کی راہ میں قتال کریں۔۔۔

اور ان کے پیغمبر نے ان سے کہا کہ اللہ نے تمہاری درخواست کے مطابق طالوت کو تمہارا بادشاہ مقرر کیا ہے۔ اس پر لگے کہنے کہ اس کو ہم پر کیونکر حکومت مل

سکتی ہے حالانکہ اس سے تو حکومت کے ہم ہی زیادہ حقدار ہیں کہ اس کو تو مال و دولت کے اعتبار سے بھی کچھ ایسی فارغ البالی نصیب نہیں ہے۔ پیغمبر نے کہا کہ اللہ نے تم پر حکمرانی کے لئے اسی کو پسند فرمایا ہے اور علم میں اور جسم میں اس کو بڑی فراخی دی ہے . . . .

پھر جب طالوت فوجوں سمیت اپنے مقام سے روانہ ہوا تو اس نے اپنے ہمراہیوں سے کہا کہ راستہ میں ایک نہر پڑے گی' اللہ اس نہر سے تمہارے صبر کی جانچ کرنے والا ہے' جو اس کا پانی پی لے گا وہ میرا ساتھی نہیں۔ میرا ساتھی صرف وہ ہے جو اس سے پیاس نہ بجھائے' ہاں ایک آدھ چلو کوئی پی لے تو پی لے۔ مگر اُن لوگوں میں سے معدودے چند کے سوا سبھی نے اس میں سے پی لیا۔ پھر جب طالوت اور ایمان والے جو اس کے ساتھ تھے' نہر سے پار ہو گئے تو جن لوگوں نے طالوت کی نافرمانی کی تھی لگے کہنے کہ ہم میں تو جالوت اور اس کے لشکر سے مقابلہ کرنے کا دم نہیں ہے۔ اس پر وہ لوگ جن کو یقین تھا کہ اُن کو خدا کے حضور میں حاضر ہونا ہے' بول اٹھے کہ اکثر ایسا ہوا ہے کہ اللہ کے حکم سے تھوڑی جماعت بڑی جماعت پر غالب آ گئی ہے' اور اللہ صبر کرنے والوں کا ساتھی ہے۔ اور جب وہ جالوت اور اس کی فوجوں کے مقابلے میں آئے تو دعا کی کہ اے ہمارے پروردگار! ہم پر صبر انڈیل دے' اور جنگ میں ہمارے پاؤں جمائے رکھ اور کافروں پر ہم کو فتح دے۔ پھر ان لوگوں نے اللہ کے حکم سے دشمنوں کو مار بھگایا. . . ."

میدانِ جنگ میں کامیابی کے لئے اس قصے میں خصوصیت سے اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ اگر افسرِ اعلیٰ درجہ کا ہو اور اس کے ساتھ اللہ سے تعلق رکھنے والے' ثابت قدم اور جذبات پر قدرت رکھنے والے اشخاص ہوں تو پھر خواہ تعداد کم ہو یہ کامیاب ہوں گے۔ عین حالت جنگ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے کا بھی ذکر ہے۔ جن حضرات پر مادیت کا رنگ غالب ہو گا' وہ خیال کرتے ہوں گے کہ میدانِ جنگ میں رُوحانیت سے کیا تعلق' اس وقت تو صرف سامانِ حرب کی ضرورت ہے' ان کو یورپ کے ایک سپہ سالار کا یہ قول یاد آتا ہو گا :

God is on the side of heavier guns.

"خدا بھاری توپوں کی طرف ہوتا ہے"

لیکن ان حضرات کو معلوم ہونا چاہئے کہ خود یورپ جو مادیت کا مرکز ہے' ایسی مادیت کو خیرباد کہہ رہا ہے۔ تعجب کی بات ہے کہ جرمنی کے مشہور جرنیل وان برن ہارڈی نے اپنی کثیرالاشاعت کتاب "جرمنی اینڈ دی نیکسٹ وار" میں جو ۱۹۱۱ء میں شائع ہوئی ہے' صفحہ ۲۴۳ پر میدانِ جنگ میں کامیاب ہونے کے لئے وہی شرائط درج کی ہیں جو آج سے تیرہ سو سال پہلے قرآن مجید اس قصے کے ذریعے بتلا چکا ہے۔ جرمنی نے فن حرب میں جو کچھ ترقی کی اس کو مد نظر رکھ کر جب یہ خیال کیا جائے کہ اس کے قابل ترین جرنیل کامیابی کے لئے آج بھی وہی اصول بہترین سمجھتے ہیں جو صدیوں پیشتر قرآن کے ذریعے سے شائع ہوئے ہیں' تو کچھ اندازہ قرآن کی تعلیم کے متعلق ہو سکتا ہے۔ جنرل وان برن ہارڈی لکھتا ہے :

But within certain limits, which are laid down by the law of numbers, the true elements of superiority under the present system of gigantic armies are seen to be spiritual and moral strength and larger masses will be beaten by a small will-led and self devoted army.

"لیکن ایک حد تک جو کہ قانونِ اعداد سے وابستہ ہے' اس زمانہ کے بے شمار افواج کے نظام میں فوقیت کے حقیقی عناصر روحانی اور اخلاقی قوتیں ہیں اور بہت بڑی تعداد والی فوج ایک قلیل تعداد والی اور عمدہ افسر رکھنے والی اور جان باز فوج سے شکست کھا جائے گی۔"

اس موقعہ پر میں یہ ظاہر کرنا مناسب سمجھتا ہوں کہ یورپ کی مادیت نے بعض لوگوں پر ایسا اثر کیا کہ اس سے متاثر ہو کر وہ بعض اسلامی باتوں میں تاویل کرنے لگے۔ مثلاً حصولِ مقصد کے لئے دعا کو بھی منجملہ ذرائع کے ایک ذریعہ سمجھنے سے انکار کیا گیا۔ فرشتوں کے متعلق کہا گیا کہ بذاتِ خود اِن کی کوئی ہستی نہیں ہے' بلکہ مختلف قوتوں کو فرشتوں کے نام سے موسوم کر دیا ہے۔ بعض حالات میں جو اجازت تعدد ازدواج کی ہے' اس کی بھی ممانعت ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ لیکن یہ اطمینان بخش بات ہے کہ آہستہ آہستہ خود یورپ اور امریکہ بھی اسلامی خیالات کے پیرو ہوتے جاتے ہیں۔

یورپ کی جنگ عظیم کے دَوران میں جس وقت بحر شمالی میں انگلستان کے جنگی جہاز

جرمن جنگی جہازوں سے سرگرم پیکار ہوئے تو بذریعہ تار گرجا گھروں کو اطلاع دی گئی کہ لوگوں کو جمع کرکے فوراً خدا سے کامیابی کے لئے دعا شروع کردی جائے۔ نیز اسی سال قیصرِ جرمنی کی سالگرہ کے موقعہ پر کوئی جشن اور جلسے نہیں کئے گئے' بلکہ ہدایت کی گئی تھی کہ تمام دن محض دعا کی جائے۔

ان واقعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ خود یورپ میں بھی آج کل دعا کو کس قدر اہمیت دی جاتی ہے۔

سر آگیورلاج ڈی۔ ایس۔ سی۔ ایل۔ ایل۔ ڈی۔ ایف۔ آر۔ ایس پرنسپل برمنگھم یونیورسٹی و پریذیڈنٹ برٹش ایسوسی ایشن آف سائنس اپنے مضمون "کیا موت کے بعد زندگی ہے" میں جو دسمبر ۱۹۱۳ء کے ریویو آف ریویوز میں شائع ہوا ہے' فرشتوں کے متعلق لکھتے ہیں :

We here on this planet are limited in certain ways, and are blind to much that is going on, but I tell you that we are surrounded by beings working with us.

All that which religions tell us that angels are with us, is I believe literally true. That is why I say that man is not alone. That is why I say that I know he is surrounded by intelligences. And I tell you that there are higher Intelligences.

Our senses give us certain information. But it is very limited. We could not explore the universe very well, if we had only our senses. We increase them, we add to them to them by instruments of all kinds: microscopes, telescopes and so on are additions to our senses and so we have learned more. But aided however much they be, the senses tell us still only a little, and there are a multitude of things of which at present we are in complete ignorance. And yet with some of these things we are in touch not through our senses. For we are not body alone. We are mind and conciousness and souls as well. And with some of those higher intelligences man has intercourse and connection through channels other

than those of the bodily organs.

"ہم اس سیارہ پر بعض حیثیتوں سے محدود حالت میں ہیں۔ اور گردو پیش جو کچھ ہو رہا ہے اس میں بہت سے حصے ہمیں نظر نہیں آتے ہیں۔ لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ ہم ایسی ہستیوں سے گھرے ہوئے ہیں جو کہ ہمارے ساتھ کام کرتی رہتی ہیں۔ میرا یقین ہے، جیسا کہ مذاہب ہم کو بتاتے ہیں کہ فرشتے ہمارے ساتھ ہیں، یہ بالکل صحیح ہے۔ اسی لئے میں کہتا ہوں کہ انسان تنہا نہیں ہے۔ اسی لئے میں کہتا ہوں کہ میں جانتا ہوں کہ وہ رُوحانی ہستیوں سے گھرا ہوا ہے اور میں تم سے کہتا ہوں کہ اعلیٰ رُوحانی ہستیاں موجود ہیں۔ ہمارے حواسِ خمسہ ہم کو بعض معلومات بہم پہنچاتے ہیں، لیکن یہ بہت محدود معلومات ہوتی ہیں۔ اگر صرف ہمارے حواس ہی موجود ہوتے تو ہم عالم کی تحقیقات اچھی طرح سے نہ کر سکتے۔ لیکن ہم اِن حواس کو ترقی دیتے ہیں اور ہر قسم کے آلات کے ذریعے سے ان میں اضافہ کرتے ہیں۔ خوردبین و دُوربین وغیرہ ہماری حواس کی قوتوں وغیرہ میں اضافہ کرنے والی ہیں اور اس طریقے سے ہم زیادہ علم حاصل کر سکتے ہیں۔ لیکن گو ان حواس کو کتنی ہی مدد دی جائے یہ ہمیں بہت ہی کم اطلاعات بہم پہنچاتے ہیں، جبکہ کثرت سے ایسی چیزیں موجود ہیں جن سے ہم ابھی تک محض ناواقف ہیں۔ بایں ہمہ ان میں سے بعض سے ہمارا تعلق ہے، لیکن یہ تعلق ہمارے حواس کے ذریعے سے نہیں ہوتا، کیونکہ ہم صرف جسم نہیں ہیں، ہم نفسِ ناطقہ، وجدان اور رُوح بھی ہیں۔ اور بعض اعلیٰ رُوحانی ہستیوں سے انسان کا تعلق ایسے ذرائع سے ہے جو جسمانی اعضاء سے وابستہ نہیں ہیں۔"

تعددِ ازدواج کے متعلق امریکہ کا مقنن اور جرنلسٹ واکر رسالہ "دی فورم" میں لکھتا ہے:

The true goal of the feminist movement is polygamy legalised regulated by the state, respectable and moral. The experiment of theoretically strict monogamy has never been a success. It has never existed is as an actual condition at any period of the world's history, and does not exist today. The tragically familiar figure of the prostitute alone a sufficient, proof. She will never disappear until

mankind has been radically made over, or until there is a revival of some scheme of the relations of the sexes more rational and possible than strict mongoamy. It may be predicated that the re-establishment of a system of legitimate unnatural a polygamy would go far towards lessening divorce by relieveing some of the unnatural tensions due to the present monogamous ideal with its faulty workings.

"تحریک نسواں کا حقیقی مطمح نظر ایسا تعدد ازدواج (ایک سے زیادہ بیویاں ہونا) ہے جو قانونی ہو اور سلطنت کے ذریعے سے اس کا انتظام ہو' اور مبنی بر اخلاقِ حسنہ ہو اور مقتدر ہو۔ وحدتِ ازدواج (ایک بیوی ہونا) کے سخت اصول کا تجربہ کبھی کامیاب نہیں ہوا اور دُنیا کی تاریخ کے کسی حصے میں اس کا وجود بحیثیت واقعہ حقیقی کے نہیں رہا ہے اور نہ آج کہیں اس کا وجود ہے۔ بازاری عورت کا المناک نظارہ روز مرہ کا مشاہدہ ہی تنہا اس کا کافی ثبوت ہے۔ اس کا وجود فقط اسی حالت میں غائب ہو سکتا ہے کہ یا تو انسانی فطرت بالکل بدل جائے اور یا مرد و عورت کے باہمی تعلقات ایسے طریقوں سے بدل جائیں جو وحدتِ ازدواج کی نسبت زیادہ ممکن اور عقل سے زیادہ مطابق ہوں۔ یہ پیشین گوئی کی جاسکتی ہے کہ تعدد ازدواج کا قانونی طریقہ سے دوبارہ اجرا طلاق کے کم کرنے میں بہت زیادہ مؤثر ہوگا کیونکہ اس کی وجہ سے بعض غیر معمولی مناقشے اور نزاعات جو موجودہ وحدتِ ازدواج کے اصول اور اس کے ناقص حالات کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں' وہ جاتے رہیں گے"۔

اس موقع پر ان چند مسائل کا ذکر کرنے سے غرض یہ ہے کہ اسلامی تعلیم کا وہ نہایت قلیل حصہ بھی جس کے متعلق یہ لکھا گیا تھا کہ یورپین مادیت کی تہذیب سے رنگے ہوئے لوگ اُسے قبول نہ کر سکیں گے (اور غالباً اسی لئے اس میں تاویلیں شروع کردی گئی تھیں) اس قدر فطرت کے مطابق ہے کہ تجربے کے بعد آخر کار اس کے مخالف بھی اس کی پیروی ہونے پر مجبور ہوتے جاتے ہیں۔

یورپ اور امریکہ کے فاضلوں کے یہ اقتباسات ان امور کی صحت کے لئے بطور استدلال کے پیش نہیں کئے گئے' کیونکہ اس کی مطلق ضرورت نہیں ہے ع

حاجتِ مشاطہ نیست روئے دل آرام را

قصہ حضرت ابراہیم علیہ السلام

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصے میں یہ تعلیم ہے کہ چاہے اپنے عزیز رشتہ دار اور ساری دُنیا اپنے خلاف ہو جائے' مگر بندۂ مومن اللہ کے احکام کی پیروی کو ہر گز نہ چھوڑے اور اپنے صحیح مقصد کی تکمیل میں مصروف رہے' خواہ کتنی ہی مشکلات برداشت کرنا کیوں نہ پڑیں اور کتنی ہی قربانیوں کی ضرورت کیوں نہ ہو۔ نیز اللہ تعالٰی کے احکام کی تعمیل کا نمونہ حضرت نے پیش کیا ہے کہ اپنے بیٹے تک کی قربانی کے لئے تیار ہوئے اور حضرت اسمٰعیل خود بھی تیار ہو گئے۔

﴿ قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِیْٓ اِبْرٰهِیْمَ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ ۚ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۫ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَیْنَنَا وَبَیْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ ....﴾ (الممتحنۃ : ۴)

"(مسلمانو) ابراہیم اور جو لوگ ان کے ساتھ تھے (یعنی اُس وقت کے مسلمان) پیروی کرنے کو تمہارے لئے ان کا ایک اچھا نمونہ ہو گزرا ہے۔ جبکہ انہوں نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ ہم کو تم سے اور تمہارے ان معبودوں سے جن کی تم خدا کے سوا پرستش کرتے ہو' کچھ بھی سروکار نہیں ہے' ہم تم لوگوں کے عقیدے کو بالکل نہیں مانتے اور ہم میں اور تم میں کھلم کھلا عداوت اور دشمنی قائم ہو گئی ہے' اور یہ دشمنی تو ہمیشہ کے لئے رہے گی' جب تک کہ تم اکیلے خدا پر ایمان نہ لاؤ۔۔۔"

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کو پورے طور سے سمجھایا' لیکن جب وہ مقصد کے مخالف رہا تو آپ نے اس سے بھی قطع تعلق کیا۔

﴿ اِذْ قَالَ لِاَبِیْهِ یٰٓاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا یَسْمَعُ وَلَا یُبْصِرُ وَلَا یُغْنِیْ عَنْكَ شَیْــٴًـا ○﴾ (مریم : ۴۲)

"جب انہوں نے اپنے باپ سے کہا اے باپ! آپ کیوں بتوں کی پرستش کرتے ہیں جو نہ

کچھ سنتے ہیں اور نہ کچھ دیکھتے ہیں اور نہ آپ کے کچھ کام آسکتے ہیں"۔

﴿ قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِیْ یٰاِبْرٰهِیْمُ ۚ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِیْ مَلِیًّا○ قَالَ سَلٰمٌ عَلَیْكَ .... وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْا رَبِّیْ . . . ﴾ (مریم : ۴۶، ۴۷)

"ابراہیم کے باپ نے کہا کہ کیا تو میرے معبودوں سے پھرا ہوا ہے۔ اگر تو ایسی باتوں سے باز نہ آئے گا تو ضرور میں تجھے سنگسار کروں گا۔ اور اپنی خیر چاہتا ہے تو میرے سامنے سے دور ہو۔ ابراہیم نے کہا تو اچھا میرا سلام ہے.....اور میں نے تم بت پرستوں کو اور تمہارے اِن بتوں کو جن کو تم خدا کے سوا پکارتے ہو' سب کو چھوڑا۔ اور اپنے پروردگار ہی کو پکاروں گا"۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں آپ کی قوم نے کہا:

﴿ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوا اقْتُلُوْهُ اَوْ حَرِّقُوْهُ . . . ﴾

(العنکبوت : ۲۴)

"ابراہیم کی قوم کا اس کے سوا کوئی جواب ہی نہیں تھا کہ لگے کہنے کہ اس کو مار ڈالو یا اس کو جلا دو....."

لیکن آپ برابر ثابت قدم رہے اور اپنا کام کرتے رہے۔ اس طریقے سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو کامیاب کیا اور سب مصیبتوں سے نجات دی ؂

آج بھی ہو جو ابراہیم کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

قصہ حضرت نوح علیہ السلام

حضرت نوح علیہ السلام کے واقعات کو ہم صرف طوفانِ نوح کے حالات تک محصور کرتے ہیں اور فقط اس پر بحث ہوتی ہے کہ پانی کس قدر برسا تھا اور کہاں کہاں طوفان کا اثر پہنچا تھا اور کہاں تک پہنچ سکتا ہے' حالانکہ ان واقعات میں استقلال سے مسلسل عرصہ دراز تک کام کرنے کی اور اپنے مقصد کے لئے بڑی سے بڑی قربانیاں کرنے کی تعلیم ہے۔ نیز یہ کہ رشتہ دار اگر اچھے عمل نہ کرتے ہوں تو وہ رشتہ دار ہی نہیں۔ حضرت نوح اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں :

﴿ قَالَ رَبِّ اِنِّیْ دَعَوْتُ قَوْمِیْ لَیْلاً وَّنَهَارًا○ فَلَمْ یَزِدْهُمْ دُعَآءِیْ اِلاَّ فِرَارًا○ وَاِنِّیْ كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوْآ اَصَابِعَهُمْ فِیْ اٰذَانِهِمْ وَاسْتَغْشَوْا ثِیَابَهُمْ وَاَصَرُّوْا وَ اسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا○ ثُمَّ اِنِّیْ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا○ ثُمَّ اِنِّیْ اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَاَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا○ ﴾

(نوح : ۵۔۹)

"عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! مَیں نے اپنی قوم کے لوگوں کو رات کے وقت بھی بلایا اور دن کے وقت بھی بلایا۔ تو میرے بلانے کا ان پر یہی اثر ہوا کہ جتنا زیادہ بلایا اتنا ہی زیادہ بھاگے۔ اور جب مَیں نے ان کو بلایا کہ یہ تیری طرف رجوع ہوں اور تُو ان کے گناہ معاف فرمائے تو انہوں نے اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں اور اوپر سے اپنے کپڑے اوڑھ لئے اور ضد کی اور شیخی میں آ کر اکڑ بیٹھے۔ پھر میں نے ان کو پکار کر بلایا۔ اور ان کو ظاہر بھی سمجھایا اور پوشیدہ بھی سمجھایا۔"

عرصہ دراز تک آپ نے دن رات مسلسل کام کیا اور ہر ممکن صورت سے کیا۔ یہ نہیں کہ تھوڑے زمانہ تک کام کرکے بیٹھ رہے۔ جس وقت حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا غرق ہو رہا تھا تو آپ علیہ السلام نے دعا کی :

﴿ وَنَادٰی نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَهْلِیْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِیْنَ○ قَالَ یٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ ۖ فَلَا تَسْئَلْنِ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۖ اِنِّیْ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِیْنَ○ قَالَ رَبِّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْئَلَكَ مَا لَیْسَ لِیْ بِهٖ عِلْمٌ ۖ ﴾

(ھود : ۴۵'۴۶)

"نوح نے اپنے پروردگار کو پکارا اور عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! میرا بیٹا بھی میرے اہل و عیال میں داخل ہے اور تُو نے جو وعدہ فرمایا تھا وہ سچا ہے اور تُو سب سے بڑا حاکم ہے۔ اللہ نے فرمایا کہ اے نوح! تمہارا بیٹا تمہارے اہل و عیال میں داخل نہیں' کیونکہ اس کے عمل اچھے نہیں' تُو جس چیز کی حقیقت کا حال تمہیں معلوم نہیں ہم سے اس کی درخواست نہ کرو' ہم تم کو سمجھائے دیتے ہیں

کہ نادانوں کی سی باتیں نہ کرو۔ نوح نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! میں اس سے تیری پناہ مانگتا ہوں کہ تجھ سے اس چیز کی درخواست کروں جس کی حقیقت الحال مجھے معلوم نہیں ہے"۔

نوح علیہ السلام کا بیٹا اور بیوی دونوں غرق ہوئے لیکن آپ نے برداشت کیا۔

لوگوں نے آپ سے کہا :

﴿ قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰنُوْحُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِيْنَ ۝ ﴾

(الشعراء : ۱۱۶)

"وہ بولے: نوح اگر تم اپنی حرکت سے باز نہ آؤ گے تو ضرور سنگسار کر دیئے جاؤ گے"۔

اور یہ کہا :

﴿ .... مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ ... اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌۢ بِهٖ جِنَّةٌ .. ﴾ (المؤمنون : ۲۴،۲۵)

".... یہ بھی بس تم جیسا آدمی ہے اور تم سے برتر ہونا چاہتا ہے.... بس یہ ایک آدمی ہے جس کو جنون ہو گیا ہے....."

لیکن آپ نے نہ کسی دھمکی اور نہ کسی طعنے کی پرواہ کی اور برابر کام میں مصروف رہے، یہاں تک کہ آپ کے مخالف تباہ ہو گئے۔

قصہ حضرت موسیٰ علیہ السلام

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصے کو ہم صرف چند معجزات میں محصور کرتے ہیں، حالانکہ اس میں تعلیم ہے اپنی قوم کو انتہائی ذلت اور مظلومی سے نکال کر ترقی کے اعلیٰ درجے پر پہنچانے کی (بنی اسرائیل ایسی ذلیل حالت میں تھے کہ ان کے حاکم ان کے بیٹے ذبح کرتے تھے اور ان کی بیٹیاں اپنی خدمت کے لئے زندہ رکھتے تھے) نیز اس میں تعلیم ہے ان اوصاف کی جن کے ذریعے سے ایسی ترقی ممکن ہے۔

اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرماتا ہے کہ تم اور تمہارے بھائی ہارون فرعون کے پاس جاؤ۔

﴿ اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴾ (طٰہٰ : ۴۳)

"تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ' اس نے بہت سر اٹھا رکھا ہے"۔

﴿ فَأْتِيَاهُ فَقُوْلَا اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِىْٓ اِسْرَآئِيْلَ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ ؕ ﴾ (طٰهٰ : ۴۷)

"غرض اس کے پاس جاؤ اور جا کر کہو کہ ہم دونوں تیرے پروردگار کے بھیجے ہوئے ہیں' تو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ رخصت کر دیجئے اور ان کو عذاب نہ دیجئے"۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ اپنی قوم کو گزشتہ ایام کی قوموں کے عروج و زوال کے حالات سے مطلع کرو اور اس طرح ان کو متنبہ کرو۔ سورۂ ابراہیم میں فرمایا ہے :

﴿ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ۝ ﴾

(ابراھیم : ۵)

"اور ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں دے کر بھیجا کہ اپنی قوم کو اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لاؤ اور ان کو اللہ کے دن یاد دلاؤ' کیونکہ ان میں ہر ایک صبر و شکر کرنے والے کے لئے نشانیاں ہیں"۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب الفوز الکبیر فی اصول التفسیر صفحہ ۳ میں تَذْکِیر بِاَیّٰامِ اللّٰہِ کے معنی درج فرماتے ہیں : یعنی بیان وقائع کہ آں را خدائے تعالیٰ ایجاد فرمودہ است از جنس انعام مطیعین و تعذیب مجرمین۔

سورۂ یونس میں ارشاد ہوتا ہے :

﴿ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى وَاَخِيْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا وَّاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ﴾

(یونس : ۸۷)

"ہم نے موسیٰ اور ان کے بھائی کی طرف وحی بھیجی کہ مصر میں اپنے لوگوں کے رہنے کو گھر بناؤ اور اپنے گھروں کو مسجدیں قرار دو اور نمازیں پڑھو۔ اور اے موسیٰ ایمان والوں کو خوشخبری دو (کہ اب تمہاری نجات کا وقت قریب آ

گیا ہے)"۔

ایک مُردہ قوم کو زندہ کرنے کے لئے گزشتہ ایام کے زوال اور عروج کے حالات اور کامیابی کی پوری امید جو کچھ کر سکتے ہیں ان کو اس زمانہ کی اقوام نے اچھی طرح محسوس کرلیا ہے۔

جس وقت فرعون کے ساحر موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہو گئے تو فرعون نے ان سے کہا :

﴿ لَاُقَطِّعَنَّ اَیْدِیَکُمْ وَاَرْجُلَکُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُصَلِّبَنَّکُمْ اَجْمَعِیْنَ○ قَالُوْا لَا ضَیْرَ ... ﴾

"ہم تمہارے ہاتھ اور پاؤں الٹے سیدھے کاٹیں گے اور تم سب کو سولی دیں گے۔ تو انہوں نے جواب دیا : کوئی حرج کی بات نہیں ہے...."

﴿ فَاقْضِ مَا اَنْتَ قَاضٍ ﴾ (طٰهٰ : ۷۲)

"تو جو کرنے والا ہے کر گزر"۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی اپنے اصول اور مقصد کی تکمیل کے لئے ہر قسم کی قربانی کے لئے تیار تھے۔

نیز حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصے میں قومی اتفاق پر بہت زور ہے۔ جس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہِ طور پر گئے اور اپنا جانشین حضرت ہارون کو کر گئے تو ان کی قوم میں گوسالہ پرستی شروع ہو گئی۔ جس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے واپس آکر یہ حالت دیکھی تو نہایت ناراض ہوئے اور حضرت ہارون علیہ السلام سے فرمایا :

﴿ قَالَ یٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَکَ اِذْ رَاَیْتَهُمْ ضَلُّوْا○ اَلَّا تَتَّبِعَنِ ؕ اَفَعَصَیْتَ اَمْرِیْ○ ﴾ (طٰهٰ : ۹۳)

"اور کہا: اے ہارون! جب تم نے ان کو دیکھا تھا کہ یہ لوگ گمراہ ہو گئے تو تم کو کیا وجہ مانع ہوئی کہ تم نے میری ہدایت کی پیروی نہ کی۔ کیا تم نے میری حکم عدولی کی؟"

یعنی جب وہ گمراہ ہو رہے تھے تو تم نے ان کو کیوں نہ روکا؟ تو حضرت ہارون علیہ السلام نے جواب دیا :

﴿ قَالَ یَبْنَؤُمَّ لَا تَاْخُذْ بِلِحْیَتِیْ وَلَا بِرَاْسِیْ ۚ اِنِّیْ خَشِیْتُ اَنْ تَقُوْلَ

فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ .... ﴾ (طٰهٰ : ۹۴)

"کہا کہ اے میرے ماں جائے بھائی! میری داڑھی اور سر کے بال نہ پکڑو' میں اس بات سے ڈرا کہ تم واپس آکر یہ کہنے لگو کہ تم نے بنی اسرائیل میں پھوٹ ڈال دی"۔

یعنی حضرت ہارون علیہ السلام کو جب اپنی اصلاح کی کوششوں میں کامیابی نہ ہوئی تو انہوں نے اپنی قوم کی عارضی گمراہی کو پسند کیا' بجائے اس کے کہ آپ اس کو روکنے کے لئے ایسی پُر زور کوشش کرتے جس سے قوم کے ٹکڑے ہو جانے کا اندیشہ تھا۔

مسلمانوں کے جمود کے اسباب

ایک پیغمبر نا اتفاقی کے مقابلہ میں قوم کا عارضی گمراہی میں رہنا پسند کرتا ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ جب تک قوم متفق رہتی ہے اسی وقت تک عمدہ نتائج پیدا ہو سکتے ہیں۔

اب ظاہر ہو گیا ہو گا کہ قرآن شریف کے ایک حصّہ کا تو مفہوم ہی بدل گیا' ایک حصّہ بھلا دیا گیا اور ایک حصّے کی تعلیم کو کہانیوں کا درجہ دیا گیا ہے اور اس سے مستفید ہونے کی کوشش نہیں کی جاتی' تو پھر کون سی تعجب کی بات ہے کہ اب قرآن مجید سے وہ نتیجے پیدا نہیں ہوتے جو ہونے چاہئیں اور جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں پیدا ہو چکے ہیں۔ اس موقع پر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید کی تعلیم کے کمزور کرنے کی جو کوششیں ہوئی ان کے بارے میں علامہ عبدہٗ مصری کی رائے نقل کی جائے۔ علامہ موصوف اپنی کتاب "الاسلام و النصرانیۃ" میں صفحہ ۱۴۳ پر مسلمانوں کے جمود اور اس کے اسباب کے متعلق بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

ثم اخطأ ملک فی السیاسیۃ فاتخذ من سعۃ الاسلام سبیلا الا ما کان یظنہ خیرا لہ ظن ان الجیش العربی قد یکون عونا لخلیفۃ علوی لان العلویین کانوا لصق بیت النبی صلی اللّٰہ علیہ و آلہ وسلم ' فاراد ان یتخذ لہ جیشا اجنبیا من الترک و الدیلم و غیرھم من الامم التی ظن انہ یستعبدھا بسلطانہ و یصیطفھا باحسانہ' فلا تساعد الخارج علیہ و لا تعین طالب مکانہ من الملک و فی سعۃ احکام الاسلام و سھولتہ

ما يبيح له ذلك، هنالك استعجم الاسلام و انقلب عجمياً.
ملک عباسی اراد ان يصنع لنفسه و لخلفه و بئس ما صنع بامته و دينه اكثر من ذلک الجند الاجنبی و اقام عليه الرؤساء منه فلم تكن الا عشية او ضحاها حتى تغلب روساء الجند على الخلفاء و استبدوا بالسلطان الدولة قبضتهم و لم يكن لهم ذلک العقل الذي راضه الاسلام و القلب الذی هذبه الدين بل جاؤا إلى الاسلام بخشونة الجهل يحملوا ألوية الظلم لبسوا الاسلام على ابدانهم و لم ينفذ منه شیء الى و جدانهم وكثير من كان يحمل الهه معه يعبده فی خلوته و يصلی من الجماعات لتمكين السلطنة، ثم عدا على الاسلام آخرون كالتتاروغيرهم و منهم من تولی امره ای عدو لهؤلاء اشد من العلم الذی يعرف الناس منزلتهم ويكشف لهم قبح سيرهم فمالوا على العلم و صديقة الاسلام ميلتهم و حملوا كثيرا من اعوانهم ان يندرجوا فی سلک العلماء وان تيسربلوا بسرابيله ليعددا من قبيله ثم يصنعوا للعامة فی الدين ما يبغض اليهم العلم ويبعد بنفوسهم عن طلبه ودخلوا عليهم وهم اغرار من باب التقوى وحماية الدين زعموا الدين ناقصًا ليكملوه او مريضا ليعللوه او متداعيا ليدعموه او يكاد ان ينقض ليقيموه نظروا الى ما كانوا من مخفض الوثنية و فی عادات من كان حولهم من الامم النصرانية فاستعاروا من ذلک الاسلام ما هو براً منه لكنهم نجحوا فی اقناع العامة بان فی ذلک تعظيم شعائره و تفخيم اوامره فخلفوا لنا هذه الاحتفالات وتلک الاجتماعات و سنوا لنا من عبادة الاولياء والعلماء و المتشبهين بهم ما فرق الجماعة واركس الناس فی الضلالة و قرروا ان

المتاخر ليس له ان يقول بغير ما يقول المتقدم و جعلوا ذلك عقيدة حتى يقف الفكر و تجمد العقول ثم بثوا اعوانهم فى اطراف الممالک الاسلامية ينشرون من القصص والاخبار والآراء ما يقنع العامة بانه لا نظر لهم فى الشئون العامة و ان كل ما هو من امور الجماعة والدولة فهو مما فرض فيه النظر على الحكام دون من عداهم و من دخل فى شىء من ذلک من غيرهم فهو معترض لما لا يعنيه و ان ما يظهر من فساد الاعمال و اختلال الاحوال ليس من صنع الحكام و انما هو تحقيق لما ورد فى الاخبار من احوال آخر الزمان و انه لا حيلة فى اصلاح حال ولا مال وان الأسلم تفويض ذلک الى اللّٰه تعالىٰ ' وما على المسلم الا ان يقتصر على خاصة نفسه ووجدوا فى ظواهر الالفاظ لبعض الاحاديث ما يعينهم على ذلک و فى الموضوعات والضعاف ما شد ازرهم فى بث هذه الاوهام وقد انتشر بين المسلمين جيش من هؤلاء المضلين ونعاون ولاة الشر علىٰ مساعدتهم فى جميع الاطراف واتخذوا من عقيدة القدر مثبطا للعزائم و غلاّ للأيدى عن العمل والعامل الأقوى فى حمل النفوس علىٰ قبول هذه الخرافات ' انما هو السذاجة وضعف البصيرة فى الدين وموافقة الهوى امور اذا اجتمعت اهلكت فاستتر الحق تحت ظلام الباطل و رسخ فى نفوس الناس من العقائد ما يضارب اصول دينهم و بيانها على خط مستقيم اسلبت من المسلم املاً كان يخترق به اطباق السموت واخلدت به الى ياس يجاور به العجمادات فجلّ ما تراه الان مما تسميه اسلاما فهو ليس باسلام و انما حفظ من اعمال الاسلام صورة الصلوٰة والصوم والحج

من الاقوال قليلا منها حرفت عن معانيها ووصل الناس بما عرض علی دينهم من البدع و الخرافات الی الجمود الذی ذکرته وعدده دينافکل مايعاب الان علی المسلمين ليس من الاسلام و انما هو شی ء آخر سموه اسلاما و القرآن شاهد صادق ﴿ لَا يَأْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ﴾ يشهد بانهم کاذبون وانهم عنه لاهون و عما جاربه معرضون

"اس کے بعد ایک بادشاہ نے سیاسی غلطی کی اور اسلامی وسعت کے باعث اس کو اس امر کا موقع مل گیا جس کو وہ اپنے خیال میں اپنے لئے بہتر سمجھتا تھا۔ اس کو خیال ہوا کہ عربی لشکر ممکن ہے کہ علوی خلیفہ کا مددگار ہو جائے کیونکہ علویوں کو نبوت کے گھرانے سے زیادہ تعلق تھا۔ اس نے ترک اور دیلم وغیرہ سے اجنبیوں کی ایک فوج تیار کی۔ اس فوج کی نسبت اس کو خیال تھا کہ وہ اپنی طاقت سے فرمانبردار اور اپنے احسان سے اس کو قائم رکھ سکے گا' سلطنت کے باغیوں کی وہ مدد نہ کرے گی اور جو طالب ملک ہیں ان کی مددگار نہ ہو گی اور اسلامی احکام کی وسعت اور سہولت نے اس امر کو اس کے لئے جائز رکھا۔ اب اسلام بدل کر عجمی ہو گیا۔

ایک عباسی بادشاہ نے ارادہ کیا کہ وہ اپنی ذات اور جانشینوں کے لئے بہتری پیدا کرے' اس طرح اس نے اپنی قوم اور مذہب کے لئے برائی کی۔ اس نے اجنبیوں کی فوج میں اضافہ کیا اور عجمی سرلشکر مقرر کئے۔ صبح شام نہ ہونے پائی تھی کہ یہ سرداران لشکر خلفاء پر قابض ہو گئے اور سلطنت خلفاء کے ہاتھ سے نکل کر عجمیوں کے قبضہ میں آ گئی۔ ان لوگوں کو وہ عقل نہ تھی جو اسلام سے منجھ چکی ہو' نہ وہ دل تھا جو مذہب سے مہذب ہو چکا ہو۔ یہ لوگ جہالت اور ظلم میں ڈوبے ہوئے اسلام میں داخل ہوئے اور اسلام کو کپڑوں کی طرح اپنے جسم پر اوڑھ لیا' کوئی اثر اس کا ان کے وجدان میں نہیں پہنچا۔ ان میں سے اکثر لوگ اپنے معبودوں اور بتوں کو اپنے ساتھ لائے تھے جن کی خلوت میں پرستش کرتے اور اعلانیہ طور پر اپنا اقتدار بڑھانے کی غرض سے باجماعت نمازیں ادا کرتے۔ اس

کے بعد تاتاریوں وغیرہ نے اسلام پر حملہ کیا اور بعض لوگ اس پر قابض بھی ہو گئے۔ مگر یہ تمام حملے علم کے شدید ترین حملہ کے مقابلے میں ہیچ تھے جو لوگوں کو ان کا مرتبہ بتلانے اور ان کی چال چلن کی خرابیوں کو ظاہر کرنے والا ہے۔ انہوں نے علم اور اس کے دوست اسلام پر حملہ کیا اور اپنے مددگاروں کی جماعتوں کو آمادہ کیا کہ وہ علماء کے زمرہ میں داخل ہو جائیں اور علم کا لباس پہن لیں اور اہل علم میں شمار ہونے لگیں۔ اس کے بعد عوام الناس میں ایسی مذہبی باتیں پھیلائیں کہ علم سے ان کو نفرت ہو اور طلب علم سے ان کے نفوس میں بعد پیدا ہو۔ پرہیزگاری اور مذہبی حمایت کے مدعی ہو کر یہ لوگ ان غافلوں میں داخل ہوئے اور دعویٰ کیا کہ مذہب ناقص تھا اور ہم اس کو کامل کرنا چاہتے ہیں یا وہ مریض تھا جس کا ہم علاج کرتے ہیں یا منہدم ہونے والا تھا' ہم اس کو سہارا دے رہے ہیں یا جھک چکا تھا ہم اس کو سیدھا کر رہے ہیں۔ انہوں نے اپنی بت پرستی کے زمانوں کی رسموں کو دیکھا اور نیز اپنے گرد و پیش نصرانی قوم کی عادات میں نظر کی اور اسلام کے لئے ایسی باتیں عاریتاً لیں جن سے وہ بری ہے۔ لیکن وہ عوام الناس کو مطمئن کرنے میں اس طرح کامیاب ہوئے کہ یہ شعائرِ اسلام و راس کے احکام کی تعظیم ہے۔ انہوں نے ہمارے لئے یہ تمام محفلیں اور میلے ایجاد کیے' اولیاء اور علماء وغیرہ کی عبادت ہمارے لئے مقرر کی' جس سے اسلامی جماعت میں تفرقہ پڑ گیا اور لوگ گمراہ ہو گئے۔ انہوں نے قرار دیا کہ متاخر کو سوائے اس کے جو متقدم کہہ چکا ہو اور کوئی بات کہنے کا حق نہیں۔ یہ امر عقائد میں داخل کر لیا گیا کہ فکر ساکن اور عقول منجمد ہو جائیں۔

اس کے بعد انہوں نے اپنے مددگاروں کو اسلامی ممالک کے اطراف میں بھیجا تاکہ وہ ایسے قصوں اور خبروں اور ایسی رایوں کی اشاعت کریں جس سے عوام الناس کو اطمینان ہو جائے کہ ان کو جمہور کے کام پر غور کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ جو کام قوم اور سلطنت سے متعلق ہیں ان پر غور کرنا صرف حکام کا فرض ہے اور دوسرے آدمیوں کو ان میں دخل دینے کا کوئی حق نہیں ہے۔ جو شخص ان معاملات میں دخل دیتا ہے وہ واہی ہے۔ مسلمانوں کے اعمال میں جو فساد اور ان کے حالات میں جو درہمی و برہمی پیدا ہو رہی ہے وہ حکام کے کاموں کا

نتیجہ نہیں بلکہ وہ متحقق ہوتا ہے ان اخبار کا جو آخری زمانہ کی نسبت حدیثوں میں وارد ہوئے ہیں اور کسی تدبیر سے اصلاح حال واستقبال کی توقع نہیں ہو سکتی، بہتر یہ ہے کہ اس کو خدا کے سپرد کیا جائے۔ مسلمان کے لئے فرض ہے کہ وہ صرف اپنی ذاتی حالت پر اقتصار کرے۔ احادیث کے بعض ظاہری الفاظ سے ان کو اپنے مطلب میں کچھ مدد مل گئی اور ضعیف حدیثوں اور موضوعات میں ان کو بہت سا مصالحہ مل گیا جس سے ان اوہام کے پھیلانے میں ان کو بڑی تقویت ملی۔ ان گمراہ کرنے والوں کا ایک بڑا لشکر مسلمانوں میں پھیل گیا۔ شریر حاکموں اور والیوں نے تمام اطراف میں ان کی مدد کی۔ ارادوں کو پست کرنے اور ہاتھوں کو کاروبار سے روکنے کے لئے قدر کا مخالف اسلام عقیدہ ایجاد کیا گیا۔ ان خرافات کو قبول کرنے کے لئے نفوس کو آمادہ کرنے والی سب سے بڑی محرک سادہ لوحی تھی اور مذہبی امور میں ضعف بصیرت اور خواہشات کا اتباع، یہ ایسے امور ہیں کہ جب جمع ہو جاتے ہیں تو مہلک ثابت ہوتے ہیں۔ اسی طرح پر حق باطل کی تاریکی میں چھپ گیا اور انسانی نفوس میں وہ عقائد راسخ ہو گئے جو دینی اصول کے بالکل اور خط مستقیم متضاد تھے۔ مسلمانوں کی آسمانوں سے باتیں کرنے والی امیدیں غارت ہوئیں اور ان کو مایوس کر کے بہائم کے درجہ تک پہنچا دیا۔ اس وقت جس کا نام اسلام رکھا جاتا ہے وہ اس سے زیادہ نہیں ہے کہ اسلامی اعمال نماز، روزہ اور حج کی ظاہری صورتوں کا مجموعہ ہے اور چند اقوال ہیں جن کے معانی میں تغیر و تبدل کر لیا گیا ہے اور جن کا نتیجہ وہ بدعتیں اور خرافات ہیں جنھوں نے مسلمانوں میں اس جمود کی نوبت پہنچا دی ہے جس کو میں نے بیان کیا ہے اور انہوں نے اس کو اسلام سمجھا ہے۔ مسلمانوں پر اس وقت اسلام کے نام سے جو عیب لگایا جاتا ہے اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ وہ ایک دوسری چیز ہے جس کا نام انہوں نے اسلام رکھ لیا ہے۔ قرآن جس کی شان یہ ہے کہ "باطل نہ تو اس کے آگے سے ہی اس کے پاس پھٹکنے پاتا ہے اور نہ اس کی پیچھے کی طرف سے، وہ حکمت والے تعریف کئے گئے خدا کا اتارا ہوا ہے" اس بات پر شاہد ہے کہ وہ جھوٹے ہیں اور اس سے غافل ہیں اور اس کے احکام سے اعراض کرنے والے ہیں"۔

علامہ عبدہ مصری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب کے اس اقتباس سے ہماری موجودہ پستی کے بعض اسباب پر روشنی پڑتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب تک مسلمان قرآن مجید کی صحیح تعلیم حاصل نہ کریں گے اور اس پر عمل نہ کریں گے' ان کی حالت ایسی ہی خراب رہے گی بلکہ بد تر ہوتی جائے گی' کیونکہ مسلمانوں کی قومیت کی بنیاد بخلاف دیگر اقوام کے ان کے مذہب پر ہے' کسی ملک پر نہیں ہے۔ تو جو چیز قومیت کی بنیاد ہو اس کے بغیر قوم میں زندگی اور قوت کیسے آسکتی ہے۔"

قوم مذہب سے ہے مذہب جو نہیں تم بھی نہیں
جذبِ باہم جو نہیں محفلِ انجم بھی نہیں!

قوم کی اصلی قوت اور مضبوطی کے لئے افرادِ قوم میں جس ایثار اور قربانی کی روح کی ضرورت ہے اس کی سنگِ بنیاد دو ہی چیزیں ہوتی ہیں "مذہب" اور "حُبِّ وطن" ۔

تم کسی قوم کی تاریخ اٹھا کر دیکھو　　دو ہی باتیں ہیں کہ جن پر ہے ترقی کا مدار
یا کوئی جذبہ دینی تھا کہ جس نے دم میں　　کر دیا ذرۂ افسردہ کو ہمرنگِ شرار
ہے یہ وہ قوتِ پُر زور کہ جس کی ٹکر　　سنگِ خارا کو بنا دیتی ہے اک مشتِ غبار
اس کی زد کھا کے لرز جاتی ہے بنیادِ زمیں　　اس سے ٹکرا کے بکھر جاتے ہیں اوراقِ دیار
یہ اسی کا تھا کرشمہ کہ عرب کے بچے　　کھیلنے جاتے تھے ایواں کہ کسریٰ میں شکار
وہ الٹ دیتے تھے دُنیا کا مرقع دم میں　　جن کی ہاتھوں میں رہا کرتی تھی اونٹوں کی مہار
اسکی برکت تھی کہ صحرائے حجازی کی سموم　　بن گئی دہر میں جا کر چمن آرائے بہار
یہ اسی کا تھا کرشمہ کے عرب کے رہزن　　فاش کرنے لگے جبریل امیں کے اسرار
یا کوئی جاذبۂ ملک و وطن تھا جس نے　　کر دیئے دم میں قوائے عملی سب بیدار
ہے اسی مے سے یہ سرمستیٔ احرارِ وطن　　ہے اسی نشہ سے یہ گرمیٔ ہنگامہ کار

مذہبی جذبہ کے بغیر محض حب وطن کے جذبہ سے متاثر ہو کر مسلمان اپنی قوم کے لئے وہ ایثار اور قربانی نہیں کر سکتے جو دوسری قومیں محض ملک کی محبت کے جذبہ سے کرتی ہیں کیونکہ بوجہ بنیاد قومیت ہونے کے مذہب ہی کا اثر مسلمانوں پر زیادہ ہوتا ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن کی تعلیم کا لبِّ لباب یہ ہے : ﴿ إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ﴾ "اللہ نے مسلمانوں سے ان کے مال اور ان کی

جائیں خرید لی ہیں کہ اس کے عوض ان کے لئے جنت ہے"۔ یعنی مسلمانوں کی جان اور مال سب خدا کے واسطے ہے۔ تمام مسلمانوں کے لئے یہی نصب العین ہمیشہ سے رہا ہے اور ہمیشہ رہے گا' عام اس سے کہ وہ مغربی سرزمین سے باشندے ہوں یا مشرق کے رہنے والے ہوں۔ اس دُنیا میں آتے ہی مسلمان بچے کے کان میں توحید و رسالت اور عالمگیر اخوت اسلامی کی وہ صدائیں پڑنا شروع ہوتی ہیں جو ابتداء ہی سے جغرافیائی حدود کو اِس ذہن میں بے وقعت کر دیتی ہیں اور بچپن ہی سے یہ خیال اس کے ذہن نشین ہو جاتا ہے کہ سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں' لیکن اپنے مذہب سے جو انتہائی "دُنیاوی" اور "رُوحانی" ترقیوں کا ضامن اور کفیل ہے آج ہم اپنی غفلت اور بدبختی کی وجہ سے فائدہ نہیں اٹھاتے ہیں اور ہماری مذہبی تعلیم ان وجوہ سے جو پیشتر بیان ہو چکے ہیں' اپنی اصلی حالت پر ہی نہیں ہے' لہٰذا مسلمانوں کا سب سے زیادہ اہم کام یہ ہے کہ وہ قرآن مجید کی صحیح تعلیم حاصل کر کے اس پر عمل کریں۔

قرآن مجید سے مستفید ہونے کے صحیح طریقے چھوڑ کر غیر صحیح طریقے سے استفادہ کرنے سے جو نقصان ہوئے ہیں وہ تو بیان ہو چکے' لیکن اس کے ساتھ ساتھ قرآن مجید کی تعلیم کا معیار مقرر کرنا اور اس کے بارے میں اپنا کامل اطمینان کرنا بھی نہایت ضروری ہے' کیونکہ سب سے بڑی مصیبت جو مسلمانوں پر نازل ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ ہماری مذہبی تعلیم اصلی حالت پر نہ رہی۔ اسی وجہ سے اب وہ اعلیٰ نتائج پیدا نہیں ہوتے جو قرآن مجید کی تعلیم سے پیدا ہونے چاہئیں۔

اس بات کے جانچنے کا بہترین معیار کہ قرآن مجید کی تعلیم صحیح رنگ میں ہو رہی ہے' یہ ہے کہ اس تعلیم سے اسی قسم کے نتائج پیدا ہوں جن کا قرآن مجید دعویٰ کرتا ہے اور جو نتائج اس زمانہ میں پیدا ہو چکے ہوں جبکہ قرآن مجید کی تعلیم اپنے اصلی اور حقیقی رنگ میں شائع ہوئی تھی۔ اسلام کا بہترین زمانہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا زمانہ ہے جن کو خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کی تعلیم دی تھی اور اپنے فیض تربیت سے مستفید فرمایا تھا۔ خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

((خَيْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِیْ ثُمَّ الَّذِیْنَ يَلُوْنَهُمْ))

"بہترین زمانہ میرا ہے پھر ان لوگوں کا جو اس سے متصل ہوں گے"۔

((عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَآءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ))

"میرے طریقے اور ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کے طریقہ کو اختیار کرو"۔

((أَصْحَابِيْ كَالنُّجُوْمِ))

"میرے اصحاب ستاروں کی طرح راہنما ہیں"۔

پس جس قدر ہمارے حالات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حالات سے مشابہ ہوں گے اسی نسبت سے ہم قرآن کی اصلی تعلیم سے رنگے ہوئے ہوں گے۔ تمام مذاہب کا بہترین زمانہ ان کا ابتدائی زمانہ ہوتا ہے۔ ایک فاضل یورپین نے اس واقعہ کو حسب ذیل الفاظ میں ادا کیا ہے :

History pointed out that the palmy days of every religion were its early days and that the teachings of the messenger were never informate on by the later adherents of the faith' where as the contrary must have been the case if the religion had been produced by evolution. Later religious literature consists of commentaries dissertational arguments. Inspiration is ever sought in later days in that sayings of the founder and in the teachings of his immediate disciples.

"تاریخ شاہد ہے کہ ہر مذہب کا بہترین زمانہ اس کا ابتدائی زمانہ ہوتا ہے اور پیغمبر کی تعلیم میں اس کے ماننے والے اس کے بعد کبھی اضافہ نہ کر سکے۔ اگر مذہب ارتقاء سے پیدا ہوتا تو اس کے بالکل برخلاف عمل ہوتا۔ پیغمبر کے زمانے کے بعد کا لٹریچر تشریحات' بیانات اور دلائل کا مجموعہ ہوتا ہے۔ زمانہ مابعد میں پیغمبر اور اس کے ابتدائی شاگردوں کی روایات اور تعلیم کو ہی ہمیشہ اصل ماخذ قرار دیا جاتا ہے"۔

عام طور سے ہم میں بھی یہی مشہور ہے کہ اسلام کا بہترین زمانہ قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کا زمانہ ہے اور ان کے طریقے پر چلنا حقیقی اور اصلی اسلام ہے۔ لیکن نہایت افسوس کی بات ہے کہ اس قول کی تائید عمل سے نہیں ہوتی' بلکہ ہمارے اکثر اعمال اس قول کے صریح خلاف ہیں۔ یہ مسلمانوں کی انتہائی بدقسمتی ہے کہ باوجود اس علم کے کہ

قرآن کو سب سے زیادہ صحیح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سمجھا تھا اور اس پر سب سے زیادہ عمل انہی نے کیا' وہ ان کے طریقوں کو فراموش کر چکے ہیں۔ چونکہ ان طریقوں کو بھلادیا گیا ہے لہٰذا ضروری ہے کہ وہ طریقے پھر یاد دلائے جائیں۔

قرآن مجید کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ بنی نوعِ انسان کے لئے ایسا مکمل قانون پیش کرتا ہے جس سے انسان انتہائی "رُوحانی" اور "دُنیاوی" ترقی ساتھ ساتھ کر سکے۔

لیکن عرصے سے اکثر مسلمانوں نے قرآن مجید کی اس خصوصیت کو فراموش کرنا شروع کر دیا ہے اور خیال کرنے لگے ہیں کہ "رُوحانی ترقی" اور "دُنیاوی ترقی" دونوں متضاد ہیں۔ حقیقت میں یہ خیال تعلیم قرآن کے بالکل مخالف ہے اور مسلمانوں کی موجودہ تباہی کا سب سے بڑا سبب ہے۔ اس خیال کی وجہ سے عموماً مسلمانوں کے دو طبقے ہو گئے' ایک تو رُوحانی اور دوسرا دُنیاوی۔ رُوحانی طبقے کے بڑے حصے نے تو اپنا مقصد یہ سمجھا ہے کہ ہمیں صرف رُوحانی ترقی کرنا چاہئے اور دُنیاوی ترقی سے ہمیں کچھ سروکار نہیں' بلکہ دُنیاوی ترقی کرنا "دینی ترقی" کے مخالف ہے' اصلی مسلمان کبھی دُنیاوی ترقی نہیں کر سکتے' مسلمانوں کا اصل مقصد اور بہترین کام علاوہ فرض نماز' روزہ کے صرف نوافل پڑھنا اور وظیفوں کا ورد رکھنا' گوشہ نشینی اختیار کرنا اور دُنیا و مافیہا سے بے خبر رہنا ہے' دُنیا مسلمانوں کے لئے نہیں بلکہ کافروں کے لئے ہے' مسلمانوں کو فقط جنت ملے گی' دُنیا نہیں مل سکتی' دُنیا میں ذلت' محتاجی اور فقیری مسلمانوں کا طغرۂ امتیاز ہے' دُنیاوی عزت' حکومت' ثروت' تونگری فقط کفار کے لئے ہے' تمام دُنیا مُردار ہے اور اس کے حاصل کرنے والے کتے ہیں' دُنیا ایک مؤمن کے لئے صرف قید خانہ ہے اور فقط کفار کے لئے جنت ہے۔

بعض آیتوں اور حدیثوں کا غلط مطلب سمجھنے سے بھی ایک حد تک یہ مرض پیدا ہوا ہے۔ چنانچہ امام فخرالدین رازی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر کبیر' جلد سوم' صفحہ ۳۳' مطبوعہ مصر میں دُنیا کی مذمت کرنے کی مخالفت کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں :

وَاعْلَمْ اَنَّ نَفْسَ هٰذِهِ الْحَيَاةِ لَا يُمْكِنُ ذَمُّهَا لِاَنَّ هٰذَا الْحَيَاةَ الْعَاجِلَةَ

لَا یَصِحُّ اکْتِسَابُ السَّعَادَاتِ الْاُخْرَوِیَّۃِ اِلاَّ فِیْھَا فَلِھٰذَا حَصَلَ فِیْ تَفْسِیْرِ ھٰذِہِ الْاٰیَۃِ قَوْلَانِ ' اَلْاَوَّلُ اَنَّ الْمُرَادَ مِنْہُ حَیَاۃُ الْکَافِرِ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ یُرِیْدُ حَیَاۃَ اَھْلِ الشِّرْکِ وَالنِّفَاقِ وَالسَّبَبُ فِیْ وَصْفِ حَیَاۃِ ھٰؤُلَآءِ بِھٰذِہِ الصِّفَۃِ اَنَّ حَیَاۃَ الْمُؤْمِنِ ھِیَ اَعْمَالٌ صَالِحَۃٌ فَلَا تَکُوْنُ لَھْوًا وَّلَعِبًا

"مطلقاً حیاتِ دُنیا کی مذمت ہرگز نہیں کی جا سکتی 'کیونکہ "اُخروی سعادات" صرف اِسی دُنیاوی حیات میں رہ کر حاصل کی جا سکتی ہیں۔ اس لئے اس آیت کی تفسیر دو طرح سے کی گئی ہے۔ ایک یہ کہ جس حیاتِ دُنیا کو برا کہا گیا ہے وہ کفار کی حیات ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس سے مشرکین و منافقین کی حیات مراد ہے اور مشرکین و منافقین کی حیاتِ دُنیا کو اس لئے برا بتایا گیا ہے کہ مؤمن کی حیاتِ دُنیا میں اعمالِ صالح ہوتے ہیں 'اس لئے وہ کبھی لہو و لعب نہیں قرار دی جا سکتی"۔

کیا "روحانی ترقّی" اور "دنیاوی ترقّی" متضاد ہیں؟

کس قدر تعجب کی بات ہے کہ اکثر مسلمانوں کا یہ خیال ہے کہ "دُنیاوی ترقی" اور "رُوحانی ترقی" متضاد ہیں' "رُوحانی ترقی" کے لئے "دُنیاوی ترقی" سم قاتل ہے۔ حالانکہ قرآن مجید کا دعویٰ ہے کہ مسلمانوں کی "رُوحانی ترقی" کی تکمیل کی علامت یہ ہے کہ وہ انتہائی "دُنیاوی ترقی" کر سکیں اور پورے غالب ہو جائیں۔ اور قوم کی دُنیاوی ذلت اور مسکنت رُوحانی تنزل اور خدا کے غضب و عذاب کی علامت ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے :

﴿ وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ ۠ وَلَیُمَکِّنَنَّ لَھُمْ دِیْنَھُمُ الَّذِی ارْتَضٰی لَھُمْ وَلَیُبَدِّلَنَّھُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِھِمْ اَمْنًا ۭ ﴾

(النور : ۵۵)

"تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل بھی کرتے ہیں ان سے خدا کا وعدہ

ہے کہ اُن کو ملک کی خلافت (سلطنت) ضرور عطا کرے گا جیسے کہ اُن لوگوں کو عطا کی تھی جو ان سے پہلے ہو گزرے ہیں' اور جس دین کو اس نے ان کے لئے پسند کیا ہے اس کو ان کے لئے جمع کرے گا اور خوف و خطر جو اُن کو لاحق ہے اس کے بعد ان کو اس کے بدلے میں امن دے گا۔"

﴿ ... اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ○ اِنَّ فِيْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَ○ ﴾ (الانبیاء : ۱۰۵'۱۰۶)

"...زمین کی (سلطنت) کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے۔ اس میں بے شک عابدین کو (بشارت کا) پہنچا دینا ہے"۔

﴿ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ ﴾ (الحج : ۴۱)

"یہ لوگ اگر ہم زمین میں ان کے پاؤں جما دیں تو نماز قائم کریں گے اور زکوٰۃ دیں گے اور لوگوں کو اچھے کاموں کے لئے کہیں گے اور برے کاموں سے منع کریں گے۔"

﴿ وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ وَاَرْضًا لَّمْ تَطَئُوْهَا ؕ ﴾

(الاحزاب : ۲۷

"اور اُن کی زمین اور اُن کے گھروں اور اُن کے مالوں کا اور نیز اس زمین (خیبر) کا جس میں تم نے قدم نہیں رکھا تھا' تم ہی کو مالک بنا دیا"۔

﴿ قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ؕ ﴾

(آل عمران : ۱۲)

"اے پیغمبر! کفار سے کہہ دو کہ تم مغلوب ہو گے اور قیامت میں جہنم کی طرف ہانکے جاؤ گے۔"

﴿ وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ○ ﴾

(آل عمران : ۱۳۹)

"نہ ہمت ہارو اور نہ آزردہ خاطر ہو' اگر تم سچے مسلمان ہو تو (آخر کار) تمہارا ہی بول بالا ہے"۔

﴿ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ.... ﴾ (المنافقون : ۸)

"اور عزت اللہ اور اس کے رسول اور مومنین ہی کے لئے ہے....."

﴿ فَلَا تَهِنُوْا وَتَدْعُوْا اِلَى السَّلْمِ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ وَاللّٰهُ مَعَكُمْ ... ﴾

(محمد : ۳۵)

"(مسلمانو!) تم نہ بودے بنو اور نہ دشمنوں کو (عاجز ہو کر) صلح کی طرف بلاؤ' اور آخر کار تم ہی غالب رہو گے' اور اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے..."

﴿ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ۭ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ ﴾

(المجادلة : ۲۲)

"یہ خدائی گروہ ہے۔ خدائی گروہ ہی (آخر کار) کامیاب رہے گا"۔

﴿ وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝ ﴾ (المائدة : ۵۶)

"اور جو اللہ اور اس کے رسول اور مسلمانوں کا دوست ہو کر رہے گا تو (وہ اللہ والا ہے اور) اللہ والوں کا ہی بول بالا ہے"۔

﴿ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝ ﴾

(المجادلة : ۲۱)

"اللہ لکھ چکا ہے کہ ہم اور ہمارے پیغمبر ضرور غالب ہو کر رہیں گے بے شک اللہ زور آور اور زبردست ہے"۔

﴿ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ﴾ (الروم : ۴۷)

"اور ایمان والوں کو مدد دینا ہم پر لازم ہے"۔

﴿ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝ ﴾ (الصّٰفّٰت : ۱۷۳)

"اور ہمارا لشکر (اسلام) ہی ضرور غالب ہو کر رہے گا۔"

﴿ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ۭ ﴾ (الحج : ۴۰)

"اور جو اللہ کی مدد کرے گا اللہ بھی ضرور اس کی مدد کرے گا۔"

﴿ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ ﴾ (آل عمران : ۱۲۳)

"بدر میں اللہ نے تمہاری مدد کی تھی' حالانکہ (اس وقت دشمن کے مقابلہ میں) تمہاری کچھ بھی حقیقت نہ تھی"۔

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ﴾
(محمد : ٧)

"مسلمانو! اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور دشمنوں کے مقابلے میں تمہارے قدم جمائے گا"۔

﴿ اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ○ ﴾ (المؤمن : ٥١)

"ہم دُنیا کی زندگی میں بھی اپنے پیغمبروں اور ایمان والوں کی مدد کرتے ہیں اور اس دن بھی مدد کریں گے جب کہ گواہ کھڑے ہوں گے"۔

﴿ وَاذْكُرُوْا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِى الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○ ﴾ (الانفال : ٢٦)

"اور وہ وقت یاد کرو جب تم تھوڑے سے تھے اور کمزور سمجھے جاتے تھے اور اس بات سے ڈرتے تھے کہ لوگ تم کو پکڑ کر اڑا نہ لے جائیں' پھر اللہ نے تم کو جگہ دی اور اپنی مدد سے تمہاری تائید کی اور اچھی اچھی چیزیں تمہیں کھانے کو دیں۔ (یہ سب احسانات ہیں) اس لئے کہ تم شکر کرو"۔

﴿ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۚ ﴾ (المائدة : ١١)

"مسلمانو! اللہ نے جو تم پر احسان کئے ہیں ان کو یاد کرو کہ جب کچھ لوگوں نے تم پر دست درازی کا قصد کیا تو اللہ نے ان کے ہاتھوں کو تم سے روک دیا"۔

﴿ اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ... ﴾ (آل عمران : ١٦٠)

"اگر اللہ تمہاری مدد کرے گا تو پھر کوئی تم پر غالب نہ آسکے گا"۔

﴿ سَنُلْقِىْ فِىْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَا اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ ... ﴾
(آل عمران : ١٥١)

"ہم عنقریب تمہاری ہیبت کافروں کے دلوں میں بٹھا کر رہیں گے' کیونکہ انہوں نے اللہ کے ساتھ شرک کیا ہے...."

﴿ فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ○ ﴾ (الانفال : ٦٦)

"تو اگر تم میں سے ثابت قدم رہنے والے سو (۱۰۰) ہوں گے تو وہ دو سو پر غالب رہیں گے' اور اگر تم میں سے (ایسے) ایک ہزار ہوں گے تو اللہ کے حکم سے دو ہزار پر غالب رہیں گے۔ اور اللہ ایسے لوگوں کا ساتھی ہے جو صبر کرتے ہیں"۔

﴿ رَبَّنَا اٰتِنَا فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِى الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً ... ﴾

(البقرۃ : ۲۰۱)

"اے ہمارے پروردگار! ہمیں دُنیا میں خیر و برکت دے اور آخرت میں بھی خیر و برکت دے"۔

﴿ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِىْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۗ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ ۗ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِيْنَ ○ ﴾ (النحل : ۳۰)

"جن لوگوں نے بھلائی کی ان کے لئے اس دُنیا میں (بھی) بھلائی ہے اور ان کا آخری ٹھکانا تو (اس سے) کہیں بہتر ہے"۔

﴿ فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ۗ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ○ ﴾ (آل عمران : ۱۴۸)

"تو اللہ نے ان کو دُنیا میں بدلہ دے دیا اور آخرت میں بھی اچھا بدلہ دیا۔ اور اللہ خلوصِ دل سے کام کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے"۔

﴿ هُوَ الَّذِىْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ... ﴾ (الصف : ۹)

"وہ (اللہ) ہی تو ہے جس نے اپنے رسول ﷺ کو ہدایت اور دینِ حق دے کر بھیجا تاکہ اس کو پورے دین (نظام) پر غالب رکھے"۔

﴿ فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا ○ ﴾

(النساء : ۵۴)

"سو خاندانِ ابراہیم علیہ السلام کے لوگوں کو ہم نے کتاب اور علم دیا اور ان کو بڑی بھاری سلطنت بھی دی"۔

﴿ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ۝ ﴾ (المائدۃ : ۲۰)

"اور ایک واقعہ یہ بھی یاد دلاؤ جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: بھائیو! اللہ نے جو تم پر احسانات کئے ہیں ان کو یاد کرو کہ اس نے تم میں بہت سے پیغمبر بنائے اور تم کو بادشاہ بھی بنایا اور تم کو وہ دہ نعمتیں دیں جو دُنیا جہان کے لوگوں میں سے کسی کو نہیں دیں"۔

﴿ فَاٰمَنَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَكَفَرَتْ طَّآئِفَةٌ ۚ فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰى عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِيْنَ۝ ﴾ (الصّف : ۱۴)

"چنانچہ بنی اسرائیل میں سے ایک گروہ تو ایمان لایا اور ایک گروہ کافر رہا۔ تو جو لوگ ایمان لائے ہم نے ان کے دشمنوں کے مقابلے میں ان کی تائید کی۔ اور آخر کار وہی غالب رہے"۔

﴿ وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ۝ وَنَجَّيْنٰهُمَا وَقَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ۝ وَنَصَرْنٰهُمْ فَكَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ۝ ﴾ (الصّٰفّٰت : ۱۱۶)

"اور ہم نے موسیٰ وہارون پر بھی احسانات کئے۔ اور آخر کار دونوں (بھائیوں) کو اور اُن کی قوم کو بڑی مصیبت (یعنی فرعون کی غلامی) سے نجات دی اور (فرعون کے مقابلے میں) ان کی مدد کی۔ تو آخر کار یہی لوگ غالب رہے"۔

﴿ اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ وَاَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَيْهِمْ مِّدْرَارًا وَّجَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ۝ ﴾

(الانعام : ۶)

"کیا ان لوگوں نے اس بات پر نظر نہیں کی کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی امتوں کو ہلاک کر مارا جن کی ہم نے ملک میں ایسی مضبوط جڑ باندھ دی تھی کہ (اے منکرو!) ابھی تک تمہاری بھی ایسی جڑ نہیں باندھی اور (ہم نے پانی کی) اس قدر افراط کی کہ (اوپر سے تو) ان پر موسلادھار مینہ برسایا اور نیچے سے نہریں رواں کر دیں'

پھر ہم نے ان کے گناہوں کی سزا میں ان کو ہلاک کر دیا اور ان کے ہلاک ہونے کے بعد اور امتیں نکال کھڑی کیں"۔

﴿ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ ﴾

(الاعراف : ۹۶)

"اور اگر ان بستیوں کے رہنے والے ایمان لاتے اور پرہیزگاری کا طریقہ اختیار کرتے تو ہم آسمان اور زمین کی برکتوں کے دروازے ان پر کھول دیتے' مگر ان لوگوں نے (ہمارے پیغمبروں کو) جھٹلایا تو ان کے کرتوتوں کی سزا میں جو وہ کرتے تھے' ہم نے ان کو عذاب میں دھر پکڑا"۔

﴿ وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِى الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝ ﴾ (الاعراف : ۱۰)

"اور اے بنی آدم! ہم نے تم کو زمین میں (رہنے اور اس میں تصرف کرنے کے لئے) جگہ دی اور اسی میں تمہارے لئے زندگی کے سامان مہیا کئے ہیں' سو تم بہت ہی کم شکر کرتے ہو"۔

﴿ ... وَاَمْدَدْنٰكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ ... ﴾ (بنی اسرائیل : ۶)

"اور مال سے اور بیٹوں سے ہم نے تمہاری مدد کی"۔

﴿ وَيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ﴾

(نوح : ۱۲)

"اور وہ مال اور بیٹوں سے تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے لئے باغ لگائے گا اور تمہارے لئے نہریں جاری کرے گا"۔

ان آیتوں میں ارشاد ہوا ہے کہ خدا مؤمنین کا ناصر و یاور ہے۔ اور مؤمن ہونے کی ایک علامت یہ ہے کہ انتہائی دُنیاوی ترقی اور غلبہ ان کو حاصل ہو۔

اب وہ آیتیں درج ہوتی ہیں جن میں یہ ارشاد ہے کہ قومی ذلت و محتاجی و مسکنت خدا کے غضب و ناراضی کی علامت ہے :

﴿ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ

بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ﴾

(البقرۃ : ۶۱)

" اور ان پر محتاجی اور ذلت تھوپ دی گئی اور خدا کے غضب میں آ گئے' یہ اس لئے کہ وہ اللہ کی آیتوں سے انکار کرتے تھے اور پیغمبروں کو ناحق قتل کیا کرتے تھے"۔

﴿ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ؕ ﴾ (البقرۃ : ۸۵)

" تو کیا تم کتابِ الٰہی کی بعض کتابوں کو مانتے ہو اور بعض کو نہیں مانتے؟ پس جو لوگ تم میں سے ایسا کریں اس کے سوا اُن کا اور کیا بدلہ ہو سکتا ہے کہ دُنیا کی زندگی میں اُن کو ذلت اور رسوائی ہو اور آخر کار قیامت کے دن بڑے سخت عذاب کی طرف لوٹا دیے جائیں"۔

﴿ لَهُمْ فِى الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ ﴾

(البقرۃ : ۱۱۴)

"ان کیلئے دُنیا میں بھی رسوائی ہے اور ان کیلئے آخرت میں بھی بڑا عذاب ہے"۔

﴿ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ؕ ﴾

(آل عمران : ۱۱۲)

" جہاں دیکھو ذلت ان کے سر پر سوار ہے' کہیں اللہ کے ذمہ یا انسانوں کے ذمہ میں پناہ مل گئی تو یہ اور بات ہے' اور وہ خدا کے غضب میں گرفتار ہیں' اور محتاجی ہے کہ الگ ان کے پیچھے پڑی ہے۔ یہ اس کی سزا ہے کہ وہ اللہ کی آیتوں سے انکار کرتے تھے اور اس کے علاوہ پیغمبروں کو بھی ناحق قتل کیا کرتے تھے"۔

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُفْتَرِيْنَ ۝ ﴾ (الاعراف : ۱۵۲)

"جو لوگ بچھڑے کو (پرستش کے لئے) لے بیٹھے عنقریب اُن پر اُن کے پروردگار کا غضب نازل ہو گا اور دُنیا کی زندگی میں ذلت (اس کے علاوہ)۔ اور جھوٹ بہتان باندھنے والوں کو ہم اسی طرح سزا دیتے ہیں"۔

﴿ إِلَّا قَوْمَ يُونُسَ ۖ لَمَّا آمَنُوا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ إِلٰى حِينٍ ۝ ﴾ (یونس : ۹۸)

"مگر یونس کی قوم کے لوگ جب ایمان لے آئے تو ہم نے دُنیا کی (اس) زندگی میں ان سے رسوائی کے عذاب کو دفع کر دیا اور ان کو ایک خاص وقت تک رسایا بسایا"۔

﴿ لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَشَقُّ ۚ ﴾

(الرعد : ۳۴)

"ان لوگوں کے لئے دُنیا کی زندگی میں بھی عذاب ہے' اور آخرت کا عذاب (جو انہیں ہو گا وہ) اور زیادہ سخت ہے"۔

﴿ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ آمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَأْتِيهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِأَنْعُمِ اللّٰهِ فَأَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوا يَصْنَعُونَ ۝ ﴾ (النحل : ۱۱۲)

"اور اللہ ایک گاؤں کی مثال بیان فرماتا ہے کہ وہاں کے لوگ (ہر طرح) امن اور اطمینان کے ساتھ تھے' ہر طرف سے بافراغت ان کا رزق ان کے پاس چلا آتا تھا' پھر انہوں نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی تو اُن کے کرتوتوں کے بدلے میں اللہ نے ان کو مزہ بھی چکھا دیا کہ بھوک اور خوف کو ان کا اوڑھنا اور بچھونا بنا دیا"۔

﴿ لَهُ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّنُذِيقُهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَذَابَ الْحَرِيقِ ۝ ﴾

(الحج : ۹)

"ایسے کی سزا دُنیا میں بھی رسوائی ہے اور قیامت کے دن بھی ہم اس کو دوزخ کا مزہ چکھائیں گے"۔

﴿ لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِي مَسْكَنِهِمْ آيَةٌ ۚ جَنَّتَانِ عَنْ يَّمِينٍ وَّشِمَالٍ ۖ كُلُوا

مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ؕ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ ○ فَاَعْرَضُوْا فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ... ﴾

"سبا (کے لوگوں) کے لئے ان کے (اپنے ہی) گھروں میں (اللہ کی قدرت کی) ایک بڑی نشانی موجود تھی۔ (سرزمین کیا تھی کہ بیچ میں سے گزر جانے والے کے لئے) داہنے ہاتھ اور بائیں ہاتھ دو باغ تھے۔ (ہم نے ان لوگوں کو حکم دیا کہ) اپنے پروردگار کی دی ہوئی روزی کھاؤ اور اس کا شکر ادا کرو (دنیا میں رہنے کو ایسا) عمدہ شہر اور (آخرت میں گناہ) بخشنے والا پروردگار۔ اس پر بھی انہوں نے (ہمارے حکم کی) کچھ پروا نہ کی تو ہم نے (بھی بند توڑ کر) ان پر بڑے زور کا سیلاب بھیج دیا..."

﴿ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتٰهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ○ فَاَذَاقَهُمُ اللّٰهُ الْخِزْيَ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ﴾

(الزمر : ۲۵'۲۶)

"جو لوگ ان سے پہلے ہو گزرے ہیں انہوں نے بھی (پیغمبروں کو) جھٹلایا' تو اُن کو عذابِ الٰہی نے ایسی طرف سے آلیا کہ انہیں اس کی کچھ خبر بھی نہ تھی۔ تو (ان کو) اسی دُنیا کی زندگی میں اللہ نے (ذلت اور) رسوائی کا مزہ چکھایا اور آخرت کا عذاب تو (اس سے) کہیں بڑھ کر رہے"۔

ان آیتوں کا خلاصہ یہی ہے کہ اصلی مؤمن ہونے کی علامت یہ بھی ہے کہ وہ پورے غالب ہوں' صاحب طاقت ہوں' صاحب ثروت ہوں' اور اللہ تعالیٰ ان کا ناصر مددگار ہو۔ اور جس قوم کا ناصر مددگار اللہ تعالیٰ ہو وہ ہمیشہ غالب رہے گی' کبھی ذلیل نہ ہوگی۔

مسلمانوں کے دُنیاوی طبقے نے عموماً بدقسمتی سے یہ سمجھ رکھا ہے کہ مسلمانوں کی "رُوحانی ترقی" سے ہمیں کوئی واسطہ نہیں' ہم کو مسلمانوں کی "دُنیاوی ترقی" کی فکر چاہئے۔ لیکن جس طرح مسلمانوں کی "رُوحانی ترقی" کی تکمیل اس وقت تک نہیں ہوسکتی جب تک وہ دُنیاوی ترقی نہ کریں اسی طرح مسلمان دُنیاوی ترقی نہیں کرسکتے جب تک وہ مذہبی نہ بنیں۔

دنیا میں کوئی قوم مضبوط اور قوی نہیں ہو سکتی جب تک کہ اس کے افراد میں ایثار اور قربانی نہ ہو اور وہ اپنے ذاتی مقاصد کو قومی اور ملکی کاموں کے لئے قربان کرنے لئے تیار نہ ہوں۔ قوموں کو مضبوط اور زبردست بنانے میں سب سے زیادہ اہم حصہ ان کے افراد کی قربانی اور ایثار کا ہوتا ہے جس کے بغیر علم اور دولت وغیرہ بھی زیادہ مفید نہیں ہوتے۔ کام کرنے والوں میں یہ قربانی اور ایثار کے جذبات مذہب اور حب وطن کے جذبات سے پیدا ہو سکتے ہیں' جیسا کہ پیشتر بیان ہو چکا ہے کہ مسلمانوں کی قومیت کی بنیاد مذہب پر ہے 'کسی ملک پر نہیں۔ اس لئے اُن کو اگر کوئی جذبہ پورے ایثار اور قربانی کے لئے آمادہ کر سکتا ہے تو وہ فقط مذہب کا جذبہ ہو سکتا ہے۔ چنانچہ واقعات شاہد ہیں کہ مسلمان مذہب کے لئے ہر قسم کی تکالیف برداشت کرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں اور دوسری چیزوں کے لئے وہ ایثار اور قربانی کے لئے پوری طرح تیار نہیں ہوتے۔

چونکہ ہمارے دنیاوی طبقے کے بڑے حصے نے اپنا عمل اس رنگ میں رکھا کہ ہم سے اور مذہب سے کوئی گہرا تعلق نہیں ہے' اس لئے نہ تو خود وہ پورا ایثار کر سکے اور نہ عام مسلمان ان کے کاموں میں پوری قوت کے ساتھ شریک ہو سکے۔ مستثنیات ہر قاعدے میں ہو سکتے ہیں۔

اور اس وجہ سے مسلمان دوسری اقوام کے مثل "دنیاوی ترقی" بھی نہیں کر سکے' اور نہ کر سکتے ہیں۔ تھوڑا سا روپیہ جمع کرنے یا چند آدمیوں کے انگریزی پڑھ جانے سے ہی قوم مضبوط اور قوی نہیں ہو سکتی۔ قوم کو مضبوط اور طاقتور کرنے کے لئے جن چیزوں کی ضرورت ہے ان میں سب سے زیادہ اہم ایثار اور قربانی ہے جس کے بغیر قوم مردہ اور بے جان رہتی ہے۔ یہ بات اس مثال سے زیادہ واضح ہو جائے گی۔ فرض کیجئے کہ ایک شخص مال دار بھی ہے اور یورپ کا سند یافتہ بھی ہے' لیکن وہ اپنی قوم کے لئے ایثار اور قربانی کے لئے تیار نہیں ہے اور قومی کام نہیں کرتا' بلکہ صرف اپنا ذاتی نفع چاہتا ہے' دوسرا شخص مال دار بھی نہیں ہے اور یورپ کا سند یافتہ بھی نہیں (یورپ کا سند یافتہ اس لئے بیان کیا گیا کہ آج کل تعلیم کا بہترین معیار غلطی سے فقط یہی سمجھا جاتا ہے) لیکن وہ اپنی قوم کے لئے ایثار اور قربانی کرتا ہے اور قوم کی خدمت میں منہمک ہے' تو صاف ظاہر ہے کہ قوم کے لئے یہ دوسرا شخص زیادہ مفید ہے۔ ہم جب اپنی قومی تحریکوں پر نظر ڈالیں گے تو

صاف طور سے نظر آئے گا کہ ان کی تہہ میں ایسے حضرات ہیں جو قوم کے لئے ایثار اور قربانی پر تیار تھے اور جنھوں نے اپنے ذاتی کاموں اور منافع کو نظرانداز کر کے ہمارے قومی کاموں میں اپنی قوتیں صرف کی ہیں۔ اور نہ تو وہ بڑے دولت مند تھے اور نہ یورپ کے سند یافتہ ' بلکہ محض مخلص مسلمان تھے۔ اگر علم و دولت کے ساتھ قربانی بھی مل جائے تو سبحان اللہ۔ غرض ہمارا ایک حصّہ "روحانی ترقی" چاہتا ہے "دنیاوی ترقی" نہیں چاہتا دوسرا "دنیاوی ترقی" چاہتا ہے "روحانی ترقی" نہیں چاہتا۔ اور اس طرح ہم مذہب کے بعض حصّے کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے۔ اس کا نتیجہ خود خدائے تعالیٰ نے قرآن مجید میں بتلا دیا ہے۔ فرمایا :

﴿ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ؕ ﴾ (البقرة : ۸۵)

"تو کیا تم کتابِ الٰہی کی بعض باتوں کو مانتے ہو اور بعض کو نہیں مانتے' تو جو لوگ تم میں سے ایسا کریں اس کے سوا ان کا کیا بدلہ ہو سکتا ہے کہ دنیا کی زندگی میں ان کی ذلت اور رسوائی ہو اور آخر کار قیامت کے دن بڑے سخت عذاب کی طرف لوٹا دیئے جائیں"۔

ہماری موجودہ ذلت اور پستی کا بڑا سبب تعلیمِ قرآن مجید کے خلاف دین و دنیا کی یہی علیحدگی ہے جس کی وجہ سے نہ تو ہم روحانی ترقی کر سکتے ہیں اور نہ مادی۔ اگر ہمارا روحانی طبقہ یہ سمجھے کہ قرآن کا یہ حکم ہے کہ مسلمان پوری دنیاوی طاقت حاصل کریں' تو وہ اپنے اوقات مسلمانوں کو دنیا میں مضبوط اور قوی بنانے میں صرف کریں جیسا کہ قرونِ اولیٰ کے بہترین مسلمانوں نے کیا تھا' اور جس کی وجہ سے مسلمانوں کی ترقی کا آفتاب نصف النہار پر پہنچ گیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی اگر ہمارا دنیاوی طبقہ یہ خیال کرے کہ دوسرے مسلمانوں کی طرح مذہب سے ہمارا بھی پورا تعلق ہے' اور وہ مذہبی بن جائے تو پھر اس صحیح مذہبی جذبے سے ان میں اس قسم کا ایثار اور قربانی پیدا ہو جو قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں میں پیدا ہوا تھا جس کی جھلک بعض مذہبی مسلمانوں میں نظر آتی ہے جو مذہب کے لئے ہر چیز نثار کرنے کے لئے ہر وقت آمادہ رہتے ہیں۔ جب ان میں یہ ایثار و قربانی کے جذبات پیدا ہو جائیں گے تو

پھران کے تمام قومی ترقی کے کام جن کی تاکید خود قرآن مجید کرتا ہے' سرسبز و جاندار ہو جائیں گے اور وہ قوم میں حقیقی زندگی اور قوت کی روح پھونک سکیں گے جس کے بغیر ہمارا سارا قومی نظام درہم برہم ہو رہا ہے اور ہماری تحریکیں موت کے جراثیم اپنے ساتھ لے کر پیدا ہوتی ہیں۔ جو لوگ مسلمانوں کی دنیاوی ترقی چاہتے ہیں' وہ مذہب کی طرف اس وجہ سے بھی مائل نہیں ہوتے کہ بعض مذہبی لوگوں نے جو غلطی سے یہ باتیں شائع کر رکھی ہیں کہ مسلمانوں کو دنیاوی ترقی نہیں کرنی چاہئے' مسلمانوں کو دنیا سے کچھ واسطہ نہ رکھنا چاہئے۔ دنیاوی ترقی تو کفار کا حصّہ ہے۔ جس وقت ان خیالات کی قطعی تردید ہو جائے گی اور قرآن کی تعلیم اپنے اصلی رنگ میں پیش ہو گی تو مسلمانوں کی دنیاوی ترقی چاہنے والا طبقہ بھی بہت جلد مذہبی بن جائے گا' کیونکہ قرآن کی تعلیم کا خلاصہ ہے انتہائی دنیاوی ترقی اور انتہائی روحانی ترقی۔ چنانچہ بہترین صحابہ انتہائی روحانی ترقی کے ساتھ دنیاوی بادشاہ فاتح' گورنر' مالدار اور تاجر بھی تھے۔ مسلمانوں کے دینی اور دنیوی تنزل کا پورا علاج یہی ہے کہ مسلمانوں کے دونوں طبقوں کو اپنے اپنے فرائض کا پورا احساس ہو اور وہ قرآن مجید کی صحیح تعلیم پر عمل کریں اور دین و دنیا کو علیحدہ نہ کریں۔ چونکہ قرآن مجید کی تعلیم کو پس پشت ڈالنے اور اس سے صحیح طریقہ سے استفادہ نہ کرنے کی وجہ سے موجودہ تباہی نازل ہوئی ہے۔ اس لئے ہم کو اس بارے میں احتیاط سے کام لینا چاہئے کہ قرآن مجید کی تعلیم صحیح طریقہ سے شائع ہو۔ قرآن کی تعلیم کی صحیح اشاعت کا معیار میں پیشتر عرض کر چکا ہوں یہ کہ اس تعلیم سے اس قسم کے نتائج نکلیں جو قرآن کی صحیح تعلیم کے بہترین زمانے یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے میں نکل چکے ہیں۔ ان نتائج کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کریم کی صحیح تعلیم کے اثر سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے انتہائی روحانی اور مادی ترقیاں ساتھ ساتھ کیں اور دین و دنیا کو ایک دوسرے کا مخالف نہ سمجھا۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے مفصل بحث میں یہ ثابت کیا ہے کہ حیاتِ دنیا کی مذمت کرنا بالکل غلط اور غیر ممکن ہے۔ اِعْلَمْ اَنَّ نَفْسَ هٰذِهِ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا لَا یُمْكِنُ ذَمُّهَا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جس حیاتِ دنیا کی برائی کی گئی ہے' جس کو لہو لعب قرار دیا گیا ہے وہ اہلِ شرک و نفاق کی حیاتِ دنیا ہے۔ یُرِیْدُ حَیٰوةَ اَهْلِ الشِّرْكِ وَالنِّفَاقِ

حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ دنیا آخرت تک کامیابی کے ساتھ پہنچنے کے لئے زادِ راہ ہے۔ اور جن کا ثواب ہمیں قیامت میں ملے گا وہ اعمال اسی دنیا میں رہ کر کئے جا سکتے ہیں۔ (طبقات ابن سعد' جلد ۲' قسم دوم' صفحہ ۶۰)

فی الحقیقت بعض احادیث میں اس دنیا کی برائی بیان کی گئی ہے جس کے حصول میں خدا تعالیٰ اور اس کے احکام کی مخالفت کی جائے اور ان کو فراموش کر دیا جائے۔ ((اَلدُّنیا جِیفَۃٌ وَ طَالِبُھَا کِلَابٌ)) کا یہی مطلب ہے' دوسرا ہونا ناممکن ہے۔

((اَلدُّنیا سِجنُ الْمُؤْمِنِ وَ جَنَّۃُ الْکَافِرِ)) کا صحیح مطلب حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ وہ ایک مرتبہ تشریف لے جا رہے تھے' سینکڑوں طالبانِ علم و معرفت ان کے ہمراہ تھے۔ ان کی اس شان کو دیکھ کر ایک یہودی نے کہا کہ مسلمانوں میں تو یہ مشہور ہے کہ ((اَلدُّنیا سِجنُ الْمُؤْمِنِ وَ جَنَّۃُ الْکَافِرِ)) اور آپ تو اس شان و شکوہ کے ساتھ رہتے ہیں اور میری حالت اس قدر خراب ہے' پھر یہ حدیث کہاں سچ ہوئی! آپ نے فرمایا کہ تم اس کا مطلب نہیں سمجھے۔ اس کا مطب یہ ہے کہ مؤمنین کو جو نعمتیں آخرت میں ملنے والی ہیں اس کے مقابلہ میں دنیا کی نعمتیں ایسی ہیں جیسے قید خانہ میں قیدیوں کو کچھ مل جاتا ہے' اور کافروں کو جو تکالیف آئندہ پیش آنے والی ہیں ان کے مقابلے میں جو حالت بھی ان کے ساتھ اس دنیا میں ہو وہ گویا جنت ہے۔

چونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دونوں قسم کی ترقیوں کے حالات کو بالکل فراموش کر دیا گیا ہے' اس لئے میں بہترین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نہایت مختصر حالات اس طریقے سے پیش کرتا ہوں جس سے معلوم ہو گا کہ انہوں نے قرآن مجید کے ارشاد کے مطابق روحانی اور مادی دونوں ترقیاں ساتھ ساتھ کیں۔

اسلام اِن دونوں ترقیوں کا مؤید اور کفیل ہے۔ وہ دین و دنیا کو علیحدہ نہیں کرتا' بلکہ خدا کے احکام کے مطابق دنیاوی ترقی کو عین مذہب قرار دیتا ہے۔ یہ ہماری سخت غلطی ہے کہ ہم نے اسلام کی اس خصوصیت کو بالکل بھلا کر اپنی حالت بالکل خراب کر لی ہے۔ عام طور سے اب بہترین مذہبی آدمی وہ سمجھا جاتا ہے جو نماز اور روزے کے علاوہ صرف نوافل کثرت سے پڑھے اور اوراد و وظائف میں مشغول رہے' دنیاوی کاموں سے تعلق نہ رکھے گوشہ نشین ہو اور دنیا و مافیہا سے بے خبر رہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حالات پر غور کرنے سے ہماری یہ غلطی نمایاں طریقہ سے معلوم ہو گی اور ہمیں معلوم ہو گا کہ اسلام اور دنیاوی ترقی کس طرح ایک دوسرے سے وابستہ ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی روحانی ترقی کے حالات تو ہمارے پیش نظر ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ کس خشوع و خضوع سے وہ نماز اور ذکر الٰہی میں مشغول رہتے تھے۔ اکثر اوقات پوری پوری رات اللہ کے ذکر و تلاوت قرآن میں گزار دیتے تھے اور ہر وقت اللہ تعالیٰ کو پیش نظر رکھتے تھے' کس طریقے سے وہ روزہ اور حج اور زکوٰۃ کے پابند تھے اور ہر وقت اپنی جان و مال' عزیز و اقارب کو اللہ کی راہ میں قربان کرنے کے لئے تیار رہتے تھے اور ہر طرح کی تکالیف و مصائب راہِ حق میں برداشت کرتے تھے۔ ان کے بارے میں اس زمانے کے اقوام کا خیال تھا۔

بِاللَّيْلِ رُهْبَانٌ وَّبِالنَّهَارِ فُرْسَانٌ (ابن اثیر)

"رات کے وقت راہب ہوتے ہیں اور دن کے وقت سپاہی بن جاتے ہیں"۔

لیکن ہمارے پیش نظر وہ حالات نہیں ہیں جو اس روحانی ترقی کے ساتھ وہ دنیا سے متعلق کرتے تھے۔ اور اس لئے اسلام کے پورے چہرہ پر نقاب پڑ گیا اور اسلام کا اصلی اور پورا چہرہ نظر نہیں آتا اور اس کے پوشیدہ ہونے کی وجہ سے ہماری حالت خراب ہو گئی ہے۔ اور ہم نے دین و دنیا کو علیحدہ کر کے گویا ایک نیا طریقہ قائم کر لیا ہے جو تعلیم قرآن کے بالکل مخالف ہے اور ہماری تمام پستیوں اور ذلتوں کا اصل ذمہ دار ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی تمام قوت اور جان و مال اللہ کے احکام کے مطابق کام کرنے میں صرف کر دی تھی۔ اور وہ یہ سمجھتے تھے کہ ہم اپنی جان و مال اور تمام قوتیں اللہ کے سپرد کر چکے' جو اُس کا حکم ہو گا اسی کے مطابق عمل کریں گے۔

﴿ إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ﴾

(التوبة : ۱۱۱)

"اللہ نے مسلمانوں سے اُن کے مال اور ان کی جانیں خرید لی ہیں' اس کے عوض ان کے لئے جنت ہے"۔

﴿ قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ ﴾

(الانعام : ۱۶۲)

"کہو کہ میری نماز اور میری تمام عبادات اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ (ہی) کے لئے ہے"۔

چونکہ خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ مسلمان روحانی ترقی کے ساتھ دنیاوی ترقی بھی کریں :

﴿ فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ﴾

(الجمعة : ۱۰)

"پھر جب نماز ہو چکے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کے فضل (یعنی معاش) کی تلاش میں لگ جاؤ"۔

﴿ رَبُّكُمُ الَّذِيْ يُزْجِيْ لَكُمُ الْفُلْكَ فِي الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ ﴾

(بنی اسرائیل : ۶۶)

"تمہارا پروردگار وہ ہے جو جہازوں کو سمندر میں چلاتا ہے' تاکہ تم اس کا فضل (یعنی معاش) طلب کرو"۔

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہ دعا مانگنے کی ہدایت فرمائی ہے :

﴿ رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً ... ﴾ (البقرة : ۲۰۱)

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تمام تر توجہ احکام قرآن مجید پر عمل کرنے میں مصروف رہی' اسلئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دنیاوی ترقی بھی قرآن ہی کے احکام سے ماخوذ ہے اور اسلئے وہ مذہب سے علیحدہ نہیں' بلکہ مذہب کا ایک حصّہ ہے۔ اس لئے صحابہ کرامؓ کے دنیاوی ترقی کے حالات کو بھی ان کی مذہبی ترقی کے ایک حصّے سے تعبیر کیا جائے گا۔

روحانی ترقی اور دنیاوی ترقی الگ الگ تعبیر کرنے میں ہم اس لئے مجبور ہو گئے ہیں کہ اس زمانہ میں یہ دونوں ترقیاں علیحدہ علیحدہ متضاد تصور کر لی گئی ہیں۔ ورنہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق یہ کہنا کہ ان کی دنیاوی ترقی یہ ہے اور روحانی ترقی یہ ہے' بالکل غلط ہے۔ انہوں نے صرف ایک جامع ترقی کی ہے جو روحانی اور دنیاوی دونوں ترقیوں پر مشتمل ہے (جسے ہم روحانی بھی کہہ سکتے ہیں اور دنیاوی بھی)

صحابہ کرامؓ کی دنیاوی ترقی کا حال

اب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ترقی کے اس حصے کو پیش کرتا ہوں جس کو ہم نے فراموش کردیا ہے۔ یعنی ان کی دنیاوی ترقی کے چند واقعات پیش کرتا ہوں۔ انتہائی دنیاوی ترقی کا خلاصہ یہ ہے :

① حکومت ② دولت ③ غلبہ

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکومت اور دولت میں بھی کافی حصّہ ملا اور ان کو غلبہ بھی پورا پورا حاصل ہوا۔ اور جن اخلاق و اعمال سے یہ ترقیاں حاصل ہوتی ہیں اور قائم رہتی ہیں وہ بھی ان میں بدرجہ اتم موجود تھے۔ حسب ذیل واقعات سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دنیاوی ترقی کا حال معلوم ہوگا۔

① حکومت

﴿ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۖ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِى ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۚ ﴾

(النور : ۵۵)

"تم لوگوں میں سے جو لوگ ایمان لائے اور عمل صالح کرتے رہیں ان سے اللہ کا وعدہ ہے کہ ان کو ملک کی خلافت ضرور دے گا جیسے ان لوگوں کو خلافت عطا کی تھی جو ان سے پہلے ہو گزرے ہیں۔ اور جس دین کو اُن کے لئے پسند کیا ہے اس کو اُن کے لئے مضبوط کرکے رہے گا اور خوف و خطر جو اُن کو لاحق ہے، اس کے بعد ان کو اس کے بدلہ میں امن دے گا۔"

﴿ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِى الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِىَ الصّٰلِحُوْنَ ۝ اِنَّ فِىْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَ ۝ ﴾ (الانبیاء : ۱۰۵، ۱۰۶)

"اور ہم زبور میں پند و نصیحت کے بعد لکھ چکے ہیں کہ ہمارے نیک بندے زمین کے وارث ہوں گے۔ عابدین کو اس میں (ایک بشارت کا) پہنچا دینا ہے۔"

﴿ هُوَ الَّذِیْ جَعَلَکُمْ خَلٰٓئِفَ فِی الْاَرْضِ ﴾ (فاطر : ۳۹)

"وہی ذات پاک ہے جس نے زمین میں تم کو (اپنا) نائب بنایا ہے۔"

﴿ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ یٰقَوْمِ اذْکُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْکُمْ اِذْ جَعَلَ فِیْکُمْ اَنْۢبِیَآءَ وَجَعَلَکُمْ مُّلُوْکًا وَّاٰتٰکُمْ مَّا لَمْ یُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ۝ ﴾

(المائدة : ۲۰)

"جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ بھائیو! اللہ نے تم پر جو احسانات کئے ہیں ان کو یاد کرو کہ اس نے تم (ہی) میں سے بہترے پیغمبر بنائے اور تم کو بادشاہ بھی بنایا' اور تم کو وہ نعمتیں دیں جو دنیا جہان کے لوگوں میں سے کسی کو نہیں دیں۔"

﴿ فَقَدْ اٰتَیْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِیْمَ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ وَاٰتَیْنٰهُمْ مُّلْکًا عَظِیْمًا ﴾

(النساء : ۵۴)

"سو خاندان ابراہیم (کے لوگوں) کو ہم نے کتاب دی اور علم دیا اور ان کو بڑی بھاری سلطنت (بھی) دی۔"

ابوبکر صدیقؓ ' عمر فاروقؓ ' عثمان غنیؓ ' علی مرتضیٰؓ۔ یہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حکمران ہوئے۔

حسب ذیل صحابہ گورنر و حاکم ہوئے :

(۱) ابوعبیدہ بن الجراح گورنر شام تھے۔
(۲) سعد بن ابی وقاص گورنر کوفہ تھے۔
(۳) سعید بن زید گورنر دمشق تھے۔
(۴) عمرو بن العاص گورنر مصر تھے۔
(۵) یزید بن ابی سفیان گورنر شام تھے
(۶) عتبہ بن غزوان گورنر بصرہ تھے۔
(۷) مغیرہ بن شعبہ گورنر کوفہ تھے۔
(۸) ابوموسیٰ الاشعری گورنر بصرہ تھے۔
(۹) عمیر بن سعد گورنر دمشق و حمص و جزیرہ تھے۔
(۱۰) حذیفہ بن محصن گورنر عمان تھے۔

(۱۱) زید بن ثابت گورنر مکہ، یمن، مصر و بصرہ تھے۔
(۱۲) عمار بن یاسر گورنر کوفہ تھے۔
(۱۳) ابو ہریرہ گورنر بحرین تھے۔
(۱۴) سمرہ بن جندب گورنر بصرہ تھے۔
(۱۵) عتاب بن اسید حاکم مکہ تھے۔
(۱۶) مہاجر بن ابی امیہ حاکم صنعاء تھے۔
(۱۷) یعلی بن منبہ حاکم خولان تھے۔
(۱۸) معاذ بن جبل حاکم جند تھے۔
(۱۹) جریر بن عبد اللہ حاکم نجران تھے۔
(۲۰) عیاض بن غنم حاکم دومتہ الجندل تھے۔
(۲۱) شرحبیل بن حسنہ شام کے بعض حصے پر حاکم تھے۔
(۲۲) عثمان بن ابی العاص حاکم طائف تھے۔
(۲۳) زیاد بن لبید حاکم حضر موت تھے۔
(۲۴) عبد اللہ بن ثور حاکم جرش تھے۔

یہ چند صحابہ رضی اللہ عنہم کی حکومت کا مختصر تذکرہ ہے۔

(۲) دولت

﴿ .... أَمْوَالَكُمُ الَّتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا .... ﴾ (النساء : ۵)

"..... تمہارے مال جن کو اللہ نے تمہارے لئے باعث قیام بنایا ہے...."

﴿ وَيُمْدِدْكُمْ بِأَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ .... ﴾ (نوح : ۱۲)

"اور مال و اولاد سے (اللہ) تمہاری مدد کرے گا....."

﴿ وَاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ ﴾ (النور : ۳۳)

"اور اللہ کے مال میں سے جو اس نے تمہیں دے رکھا ہے، انہیں بھی دو۔"

﴿ رَبُّكُمُ الَّذِيْ يُزْجِيْ لَكُمُ الْفُلْكَ فِي الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّهٗ

كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ﴾ (بنی اسرائیل : ۶۶)

"تمہارا پروردگار وہ (قادر مطلق) ہے جو تمہارے لئے سمندر میں جہازوں کو چلاتا ہے، تاکہ تم اس کا فضل یعنی معاش تلاش کرو۔ اس میں شک نہیں کہ وہ تم پر بڑا مہربان ہے۔"

﴿ وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ﴾ (النبا : ۱۱)

"اور ہم نے ہی دن کو روزی کے لئے بنایا۔"

﴿ فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ.... ﴾ (الجمعة : ۱۰)

"پھر جب نماز ہو چکے تو اپنی اپنی راہ لو اور اللہ کے فضل یعنی معاش کی تلاش میں لگ جاؤ۔"

اس موقع پر زیادہ تر ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دولت و ثروت کے مختصر حالات بیان کرتا ہوں جو عشرہ مبشرہ میں داخل ہیں اور بہترین صحابہ ہیں۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں قریش میں سب سے بڑا تاجر اور سب سے زیادہ مال دار تھا۔ (الریاض النصرة، جلد ۱، صفحہ ۱۳۷)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ایک ایک ہزار اونٹ غلہ سے لدے ہوئے شام سے آئے اور انہوں نے سب فی سبیل اللہ دے دیئے۔ (الریاض النصرة جلد ۱، صفحہ ۱۰)

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ہزار اونٹ تین ہزار بکریاں اور سو گھوڑے چھوڑ کر انتقال فرمایا۔ (طبقات ابن سعد، جلد ۳، قسم اول، صفحہ ۱۹۶)

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے چالیس ہزار نقد، پانچ سو گھوڑے، ڈیڑھ ہزار اونٹ مختلف موقعوں پر حفاظت و اشاعت اسلام کے لئے صرف کئے۔ (الریاض النصرة، جلد ۲، صفحہ ۲۸۸)

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس چالیس ہزار نقد تھے جو انہوں نے راہِ حق میں صرف کر دیئے۔ (ابن اثیر، جلد ۲، صفحہ ۲۰۵)

غزوۂ تبوک کے لئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ساڑھے نو سو اونٹ، پچاس گھوڑے اور ایک ہزار دینار عطا فرمائے۔ (الریاض النصرة، جلد ۲، صفحہ ۹۱)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بیر رومہ (کنواں) ۳۵ ہزار درہم میں خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا۔ (الریاض النضرۃ' جلد ۲' صفحہ ۹۲)

مسجد نبوی میں اضافہ کرنے کے لئے ۲۵ ہزار درہم میں ایک زمین حضرت عثمانؓ نے خرید کر وقف کر دی۔ (الریاض النضرۃ' جلد ۳' صفحہ ۹۳)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو ان کے خزانچی کے پاس تین کروڑ پانچ لاکھ درہم اور ایک لاکھ دینار تھے اور ہزار اونٹ زبدہ میں موجود تھے۔ (طبقات ابن سعد' جلد ۲' قسم اول' صفحہ ۵۳)

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ جب ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو رسالت مآبؐ نے سعد بن الربیع انصاری اور ان کے درمیان مواخات کرا دی۔ سعد نے ان سے گھر لے جا کر کہا کہ میں انصار میں سب سے زیادہ مال دار ہوں' تمہیں اپنا نصف مال دیتا ہوں۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ اللہ تمہیں تمہارا مال مبارک کرے مجھے اس کی ضرورت نہیں' مجھے یہاں کا بازار بتا دو' بازار گئے اور تجارت شروع کر دی ..... حضرت عبدالرحمٰن فرماتے ہیں کہ پھر اللہ نے ایسی برکت دی اور تجارت میں اتنی ترقی ہوئی کہ اگر میں پتھر بھی اٹھاتا تھا تو مجھے یقین تھا کہ اس کے نیچے سونا چاندی ملے گا۔ (طبقات ابن سعد' جلد ۳' قسم اول' صفحہ ۸۹)

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے منجملہ اور چیزوں کے سونے کے بڑے بڑے ٹکڑے بھی چھوڑے جنہیں کلہاڑیوں سے کاٹ کاٹ کر تقسیم کیا گیا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۳' قسم اول' صفحہ ۹۶)

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے چار بیویاں چھوڑیں جن میں ہر ایک کو ترکہ کا بتیسواں حصہ ملا۔ چنانچہ تماضر بنت الاصبغ کا حصہ ایک لاکھ میں خرید لیا گیا۔ (طبقات ابن سعد' جلد ۳' قسم اول' صفحہ ۹۷)

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اپنی ایک زمین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ چالیس ہزار دینار میں فروخت کی اور سب فی سبیل اللہ صرف کر دیا۔ (طبقات ابن سعد' جلد ۳' قسم اول' صفحہ ۹۴)

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے وصیت کی کہ پچاس ہزار دینار فی سبیل اللہ

صرف کئے جائیں۔ (طبقات ابن سعد' جلد ۳' قسم اول' صفحہ ۹۶)

حضرت عمر فاروق ؓ ام کلثوم سے نکاح کیا اور ۴۰ ہزار درہم مہر میں دیئے۔ (طبقات ابن سعد' جلد ۴' صفحہ ۳۴۰)

حضرت زبیر ؓ نے ایک گھر چھ لاکھ درہم میں فروخت کیا۔ (الریاض النصرۃ' جلد ۲ صفحہ ۲۷۲)

حضرت زبیر نے تین کروڑ باون لاکھ درہم کی جائیداد چھوڑی۔ چار بیویوں سے ہر ایک کو بتیسواں حصہ یعنی گیارہ گیارہ لاکھ درہم ملے۔ (طبقات ابن سعد' جلد ۳' قسم اول صفحہ ۷۷)

حضرت علی مرتضیٰ ؓ فرماتے ہیں کہ میں اب تک چالیس ہزار نقد راہِ حق میں صرف کر چکا ہوں۔ (الریاض النصرۃ' جلد ۲' صفحہ ۲۲۶)

حضرت طلحہ ؓ نے ایک زمین حضرت عثمان ؓ کو سات لاکھ درہم میں فروخت کی اور رات ہی رات میں سب روپیہ مسلمانوں میں تقسیم کر دیا۔ (طبقات ابن سعد' جلد ۳' قسم اول' صفحہ ۱۵۷)

حضرت طلحہ ؓ نے بائیس لاکھ درہم اور دو لاکھ دینار نقد اور تین کروڑ درہم کی جائیداد چھوڑی۔ (طبقات ابن سعد' جلد ۳' قسم اول' صفحہ ۱۵۸)

حضرت عمر فاروق ؓ نے اپنے عہد خلافت میں تمام مسلمان مردوں' عورتوں اور بچوں کے سالانہ وظائف مقرر کر دیئے تھے جن کے عوض مردوں سے فوجی خدمت لی جاتی تھی۔ چنانچہ اہل بدر کے لئے پانچ پانچ ہزار درہم' اہل حدیبیہ کے لئے چار چار ہزار درہم' جنگ قادسیہ سے پہلی لڑائیوں کے شرکاء کے لئے تین تین ہزار' اہل قادسیہ اور اہل شام کے لئے دو دو ہزار' قادسیہ اور یرموک کے بعد والوں کے لئے ہزار ہزار درہم سالانہ مقرر کئے۔ اہل بدر کی عورتوں کے لئے پانچ پانچ سو' اس کے بعد سے لے کر اہل حدیبیہ تک کی عورتوں کے لئے چار چار سو' قادسیہ سے قبل کی جنگ میں شریک ہونے والی عورتوں کے لئے تین تین سو' اہل قادسیہ وغیرہ کی عورتوں کے لئے دو دو سو درہم مقرر کئے اور تمام بچوں کے سو سو درہم سالانہ مقرر کئے۔ (ابن اثیر' جلد ۲' صفحہ ۲۴۸۔ طبقات ابن سعد' جلد ۳' قسم اول' صفحہ ۲۱۴)

سلیم ابو عامر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ایک یمنی چادر اوڑھے دیکھا جس کی قیمت سو درہم تھی۔ (طبقات ابن سعد' جلد ۳' قسم اول' صفحہ ۳۹)

محمد بن ربیعہ سے روایت ہے کہ حضرات صحابہ عورتوں کے زیب و زینت کے لباس میں وسعت کرتے تھے۔ میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ایک ریشمی چادر اوڑھے دیکھا جس کی قیمت سو درہم تھی۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ یہ چادر نائلہ کی ہے۔ میں نے ان کی خوشی کے لئے اس کو اوڑھ لیا ہے۔ (طبقات ابن سعد' جلد ۳' قسم اول' صفحہ ۹۲)

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اپنے نقد مال کی زکوۃ پانچ ہزار درہم والی مدینہ کے پاس بھیجی اور ڈھائی لاکھ نقد چھوڑ کر انتقال فرمایا۔ (طبقات ابن سعد' جلد ۳' قسم اول صفحہ ۱۰۵)

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سب سے اچھا سفید کپڑا پہنتے اور سب سے زیادہ خوشبوؤں کا استعمال کرتے تھے۔ (طبقات ابن سعد' جلد ۳' قسم اول' صفحہ ۱۱۷)

زمین اور پہاڑوں کا خراج حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں بارہ کروڑ دس لاکھ دانی تک پہنچ گیا تھا۔ دانی ایک درہم سے کچھ زیادہ ہوتا ہے۔ (طبقات ابن سعد' جلد ۳' قسم اول صفحہ ۲۰۲)

خباب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ میں نے اپنی وہ حالت دیکھی ہے کہ ایک درہم اور ایک دینار بھی موجود نہ تھا۔ آج میرے گھر کے گوشہ میں صندوق کے اندر چالیس ہزار دانی موجود ہیں۔ (طبقات ابن سعد' جلد ۳' قسم اول' صفحہ ۳۰۲)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ زیادہ مال دے گا تو ہر ایک مسلمان کے لئے چار چار ہزار درہم سالانہ مقرر کروں گا' ہزار سفر کے لئے' ہزار ہتھیار کے لئے' ہزار اس کے اہل و عیال کے لئے اور ہزار اس کے گھوڑے اور خچر کے لئے۔ (طبقات ابن سعد' جلد ۳' قسم اول' صفحہ ۲۱۴)

سعدی سے روایت ہے کہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس مال زیادہ ہوا تو اپنی کنیز کو بلا کر تقسیم کر دیا۔ سعدی کہتے ہیں کہ چار لاکھ درہم تھے۔ (طبقات ابن سعد' جلد ۳' قسم اول' صفحہ ۱۵۷)

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے نوے ہزار درہم چھوڑ کر انتقال فرمایا۔ (طبقات ابن

سعد' جلد ۳' قسم اول' صفحہ ۱۱۳)

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو عراق کی کاشت سے چار پانچ لاکھ درہم اور سرات کی کاشت سے کم و بیش دس ہزار دینار وصول ہوتے تھے۔ وہ بنو تیم کے ہر ضرورت مند کو اس کے اہل و عیال کے لئے کافی خرچ دیا کرتے تھے۔ بے شوہر عورتوں کا نکاح کر دیتے تھے۔ جسے خادم کی ضرورت ہوتی اسے خادم دے دیتے تھے۔ قرض داروں کی طرف سے قرض ادا کرتے تھے۔ صبیحہ تیمی پر تیس ہزار درہم قرض تھے' وہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے ادا کر دیئے۔ (طبقات ابن سعد' جلد ۳' قسم اول' صفحہ ۱۵۸)

برزہ بنت رافع کہتی ہیں کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ سالانہ وظائف تقسیم کرنے لگے تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس ان کا وظیفہ بھیجا۔ حضرت زینب نے فرمایا کہ اللہ عمر پر رحم کرے' میری دوسری بہنیں اسے مجھ سے زیادہ اچھی طرح تقسیم کر سکتی ہیں۔ لوگوں نے کہا کہ یہ آپ ہی کا ہے۔ زینب نے اس کو رکھوا دیا اور پھر مجھ سے فرمایا کہ اتنا فلاں کو اور اتنا فلاں کو دے آؤ۔ غرض اپنے ضرورت مند رشتہ داروں اور یتیموں میں سب تقسیم کر دیا۔ تھوڑا سا کپڑے کے نیچے بچ رہا تو میں نے کہا کہ ام المؤمنین میرا بھی اس میں حق ہے۔ زینب نے کہا کہ جو بچا ہے وہ تم لے لو۔ میں نے کپڑا اٹھایا تو ۸۵ درہم تھے۔ (طبقات ابن سعد' جلد ۳' قسم اول' صفحہ ۲۱۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بحرین سے چار لاکھ درہم نقد لے کر آئے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ کسی پر ظلم کر کے تو یہ تم نے نہیں لیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ نہیں۔ پھر حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ اپنا مال کتنا لائے؟ انہوں نے کہا بیس ہزار درہم۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ اتنا کہاں سے آیا؟ انہوں نے کہا میں وہاں تجارت کرتا تھا۔ (طبقات ابن سعد' جلد ۴' قسم سوم' صفحہ ۶۰)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایک خسر ان کے پاس حاضر ہوئے اور چاہا کہ وہ انہیں بیت المال سے کچھ دیں۔ حضرت عمرؓ خفا ہوئے اور فرمایا کہ تم چاہتے ہو کہ میں خائن بادشاہ بن کر اللہ کے یہاں جاؤں؟ اس کے بعد انہیں بلا کر اپنے خاص مال سے دس ہزار درہم دیئے۔ (طبقات ابن سعد' جلد ۳' قسم اول' صفحہ ۲۱۹)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس قدر مال بڑھتا جائے گا ہم لوگوں کے وظائف

بڑھاتے جائیں گے۔ اگر مال کی اتنی کثرت ہوئی کہ حساب مشکل ہو تو بلاحساب مٹھیوں میں بھر بھر کر دیں گے۔ یہ مال انہی لوگوں کا ہے' جس طرح چاہیں لیں۔ (طبقات ابن سعد' جلد ۳' قسم اول' صفحہ ۲۱۹)

③ غلبہ

﴿ وَمَنْ يَتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ۝ ﴾ (المائدة : ٥٦)

"اور جو اللہ اور اس کے رسول اور اہل ایمان کا دوست ہو کر رہے گا تو (وہ اللہ والا ہے اور) اللہ والوں کا بول بالا ہے۔"

﴿ فَاٰمَنَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَكَفَرَتْ طَّآئِفَةٌ ۚ فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰى عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِيْنَ۝ ﴾ (الصف : ١٤)

"چنانچہ بنی اسرائیل میں سے ایک گروہ تو ایمان لایا اور ایک گروہ کافر رہا' تو جو لوگ ایمان لائے ہم نے ان کے دشمنوں کے مقابلے میں ان کی تائید کی اور آخر کار وہی غالب رہے۔"

﴿ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ۭ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ۝ ﴾ (المجادلة : ٢٢)

"یہ خدائی گروہ ہے' اور خدائی گروہ ہی غالب رہے گا۔"

﴿ اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ ﴾ (آل عمران : ١٦٠)

"اللہ تمہاری مدد پر ہو تو پھر کوئی تم پر غالب نہ ہو سکے۔"

﴿ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ۝ ﴾ (الروم : ٤٧)

"مسلمانوں کی مدد ہم پر لازم ہے۔"

﴿ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ ﴾ (آل عمران : ١٢٣)

"بدر میں اللہ نے تمہاری مدد کی' حالانکہ اُس وقت دشمن کے مقابلہ میں تمہاری کوئی حقیقت نہ تھی۔"

﴿ وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۝ ﴾ (آل عمران : ١٣٩)

"نہ ہمت ہارو نہ آزردہ خاطر ہو' اگر تم سچے مسلمان ہو تو تم ہی غالب ہو کر رہو گے۔"

﴿ اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ۝ ﴾ (المؤمن : ۵۱)

"ہم دنیا کی زندگی میں بھی اپنے پیغمبروں اور ایمان والوں کی مدد کرتے ہیں اور اس دن بھی (مدد کریں گے) جبکہ گواہ کھڑے ہوں گے۔"

۱۰ اسعد بن زرارہ نے عرض کیا یا رسول اللہ : بیعت اسلام کی شرائط بیان فرمائیں!۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: شرائط یہ ہیں۔ لاالٰہ الّا اللہ محمدؐ رسول اللہ کی شہادت دو' نماز پڑھو' زکوٰۃ دو' اطاعت و فرمانبرداری کرو اور جو امیر ہو اُس کی امارت میں نزاع نہ کرو' اور یہ کہ جن چیزوں سے اپنی اور اپنے اہل و عیال کی حفاظت کرتے ہو ان سے میری بھی حفاظت کرو۔ انصار بولے ہاں ہمیں منظور ہے۔ ایک شخص نے عرض کیا : یا رسول اللہ ﷺ! یہ شرائط تو جناب کے ہیں' ان کے معاوضہ میں ہمیں کیا ملے گا' آپ نے فرمایا : دنیا میں فتح و غلبہ' آخرت میں جنت۔ (ابن سعد' جلد ۳' قسم ۲' صفحہ ۱۳۹)

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ابلہ' باروسما' بانقیا' آلیس' حیرہ' انبار' بادقلی' عین النمر' قطر' بل' دومتہ الجندل' اور فراض خالد بن الولید اور رعیاض بن غنم رضی اللہ عنہما نے فتح کئے اور شام میں مرج الصفر' بلقا اخیادن' العربہ' بصریٰ' واش وغیرہ حضرت ابو عبیدہ اور یزید بن ابی سفیان و عمر بن العاص' شرحبیل بن حسنہ اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہم نے فتح کئے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں عراق عجم کے تمام اضلاع خوزستان' آذربائیجان' کرمان' سیستان' فارس' مکران' خراسان' طبرستان وغیرہ اور سلطنت ایران کے اکثر صوبے فتح ہوئے۔ قادسیہ کی فیصلہ کن جنگ حضرت سعد بن ابی وقاص نے نہاوند کی عظیم الشان جنگ حضرت نعمان بن مقرن نے فتح کی۔

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے زیر کمان ملک مصر فتح ہوا۔ شام میں دمشق' بیسان' طبریہ' حمص' بیت المقدس' قیساریہ' تکریت' موصل وغیرہ شام کے بڑے بڑے صوبے حضرت ابو عبیدہ نے فتح کئے۔ پھر آرمینیا کا بڑا حصہ مفتوح کیا۔

عہدِ خلافتِ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ میں آرمینیا' آذربائیجان' کرمان وغیرہ کا باقی ماندہ حصہ فتح ہوا۔ اور ان کے علاوہ قوقاز' گرجستان' بیلقان' ابوشنجان' قبالہ' سیشوان' باب' داغستان' حبیب بن سلمۃ الفھری اور سلمان وغیرہ نے فتح کئے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے شام کے گورنر تھے' بحری لڑائی میں شہنشاہِ قسطنطین کو شکستیں دینے کے بعد جزائر قبرص' کریٹ' رہوڈس' وکوس فتح کئے' اور پھر اس کے بعد ایشیائے کوچک میں داخل ہو کر چند بڑے اضلاع عموریہ' آرند وغیرہ فتح کئے' عبداللہ بن سعد کے زیر کمان اور حضرت عبداللہ بن زبیر کی تدبیروں سے شمالی افریقہ میں طرابلس' برقہ' تیونس' الجیریا' فاس' مراکو وغیرہ فتح کئے گئے۔ پھر ایران کی طرف زام' قہستان' سبیق' بشت' نیشاپور' طوس' ہرات' جوربان' طالقان' فاریاب' بلخ' کابل' زابستان' زرنج' کش' اور طبرستان کے باقی ماندہ حصے بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مفتوح ہوئے اور سندھ سے لے کر مغرب اقصیٰ تک اسلامی پرچم لہرانے لگا۔

روحانی ترقیوں کے ساتھ ساتھ یہ انتہائی دنیاوی ترقی قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کو اس لئے حاصل ہوئی تھی کہ انہوں قرآن مجید کی صحیح تعلیم کو صحیح طریقہ سے سمجھ کر اس پر عمل کیا تھا۔ آج بھی اگر ہم وہی طریقے اختیار کریں تو ہماری حالت بہتر ہو سکتی ہے۔ مسلمانوں کے لئے یہی ایک صورت موجودہ پستی سے نکلنے کی ہے۔ ضروری ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ان اخلاق واعمال کے مفصل حالات جو اُن میں قرآن مجید کی تعلیم سے پیدا ہوئے تھے کثرت سے مسلمانوں میں شائع کئے جائیں' تاکہ اُن کو معلوم ہو کہ قرآن مجید کی اصلی اور حقیقی تعلیم کیا ہے اور اس پر عمل کرنے سے کس قدر جلد بہترین نتائج مرتب ہو سکتے ہیں۔

روحانیت' مساوات' حریت' اخوت' عدل' اتحاد اور ایثار کے جو بے نظیر نمونے تعلیم قرآن پر عمل ہونے کی وجہ سے تاریخ اسلام کے ابتدائی زمانہ میں نظر آتے ہیں۔ اگر ہم انہیں اپنے لئے مشعلِ ہدایت بنالیں تو ہم بہت جلد دنیا کی بہترین قوم بن سکتے ہیں۔

رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ

صدر مؤسس مرکزی انجمن خدام القرآن اور امیر تنظیم اسلامی

ڈاکٹر اسرار احمد

کی علمی و فکری اور دعوتی و تحریکی کاوشوں کا نچوڑ

۲۸۰ صفحات پر مشتمل ایک اہم علمی دستاویز جس میں عملی خطوط کی نشاندہی بھی موجود ہے

دعوت
رجوع اِلی القرآن
کا منظر و پس منظر

ضرور مطالعہ کیجئے ـــــ دوسروں تک پہنچائیے

دعوت رجوع الی القرآن کی اساسی دستاویز

ڈاکٹر اسرار احمد کی مقبولِ عام تالیف

مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق

خود پڑھیے اور دوستوں اور عزیزوں کو تحفۃً پیش کیجیے

نوٹ

اس کتابچے کا انگریزی، عربی، فارسی اور سندھی
زبانوں میں بھی ترجمہ شائع ہو چکا ہے۔ اس کے حقوقِ
اشاعت نہ ڈاکٹر صاحب کے حق میں محفوظ ہیں نہ انجمن کے

شائع کردہ

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور

مرکزی **انجمن خدّام القرآن** لاهور

کے قیام کا مقصد

منبعِ ایمان — اور — **سرچشمۂ یقین**

قرآنِ حکیم

کے **علم و حکمت** کی

وسیع پیمانے — اور — **اعلیٰ علمی سطح**

پر تشہیر و اشاعت ہے

تاکہ اُمتِ مسلمہ کے فہیم عناصر میں **تجدیدِ ایمان** کی ایک عمومی تحریک برپا ہو جائے

اور اس طرح

اسلام کی نشاۃِ ثانیہ — اور — **غلبۂ دینِ حق کے دورِ ثانی**

کی راہ ہموار ہو سکے

وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ